چاند گہن

مرزا امجد بیگ

زندگی کو اتنا خطرہ جنگل میں لہراتے سانپ سے نہیں ہوتا جتنا آستین میں چھپے دشمن سے ہوتا ہے اور دشمن بھی وہ... جو اگر دوست کے روپ میں ہو تو آنے والا پل ہو یا کل کوئی بھروسا نہیں کہ ملے نہ ملے۔ وہ خاندان بھی مکروفریب کے ایک ایسے ہی گرداب میں دھنستا جارہا تھا کہ اچانک بیگ صاحب نے سہارے کی رسّی ڈال کر انہیں زندگی کی جانب کھینچ لیا اور یہ ثابت کردیا کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے... کوئی کسی کو لاکھ ڈبونا چاہے اگر اس رب العزت کی منشا نہیں تو تنکے کا سہارا دے کر بھی کنارے پر لگا دیتا ہے لیکن یہ ادراک باضمیروں کے دلوں پر اثر کرتا ہے... ضمیرفروش اس آگاہی کو کیا جانیں... وہ بھی اندھے اعتماد میں اپنا سب کچھ لٹا بیٹھے تھے۔

شیریں لب و لہجے اور دوستانہ رویوں میں چھپے زہریلے

خلوص کی روداد

چاند گہن

مرزا امجد بیگ

زندگی کو اتنا خطرہ جنگل میں لہراتے سانپ سے نہیں ہوتا جتنا آستین میں چھپے دشمن سے ہوتا ہے اور دشمن بھی وہ... جو اگر دوست کے روپ میں ہو تو آنے والا پل ہو یا کل کوئی بھروسا نہیں کہ ملے نہ ملے۔ وہ خاندان بھی مکروفریب کے ایک ایسے ہی گرداب میں دھنستا جا رہا تھا کہ اچانک بیگ صاحب نے سہارے کی رسّی ڈال کر انہیں زندگی کی جانب کھینچ لیا اور یہ ثابت کردیا کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے... کوئی کسی کو لاکھ ڈبونا چاہے اگر اس رب العزت کی منشا نہیں تو تنکے کا سہارا دے کر بھی کنارے پر لگا دیتا ہے لیکن یہ ادراک باضمیروں کے دلوں پر اثر کرتا ہے... ضمیرفروش اس آگاہی کو کیا جانیں... وہ بھی اندھے اعتماد میں اپنا سب کچھ لٹا بیٹھے تھے۔

شیریں لب و لہجے اور دوستانہ رویوں میں چھپے زہریلے خلوص کی روداد

منگل کے روز جو شخص سب سے آخر میں مجھ سے ملنے آیا وہ ایک دبلا پتلا اور دراز قامت نوجوان تھا۔ اس کی عمر بیس کے آس پاس رہی ہوگی۔ وہ خاصا مضطرب اور حواس باختہ نظر آتا تھا۔ میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور بیٹھنے کے لیے کہا۔

وہ اضطراری انداز میں ایک کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

”جی فرمائیے...... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟“

”وکیل صاحب! میں بہت پریشان ہوں۔“ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

میں نے بڑی رسان سے کہا۔ ”وہ تو آپ کی صورت ہی سے دکھائی دے رہا ہے۔ اپنی پریشانی کے بارے میں کچھ بتائیں؟“

”میری پریشانی کا نام ہے مراد خان۔“ اس نے سراسیمہ لہجے میں جواب دیا۔

”مراد خان۔“ میں نے کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے دہرایا۔ ”یہ کون صاحب ہیں؟“

”یہ صاحب نہیں، ایک شیطان ہے۔“ وہ نفرت آمیز انداز میں بولا۔ ”اگر میرا بس چلے تو میں اسے زندہ دفن کردوں......“ آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس نوجوان کے چہرے اور آنکھوں میں مراد خان کے لیے ناپسندیدگی کی چنگاریاں سی چھوٹنے لگی تھیں جس سے واضح ہوگیا تھا کہ وہ مراد خان کے لیے اپنے دل و دماغ میں کس نوعیت کے خیالات وجذبات رکھتا تھا۔ میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور اس کے مسئلے کو سمجھنے کی غرض سے نہایت ہی دوستانہ انداز میں سوال کیا۔

”آپ کا نام کیا ہے؟“

”عمران۔“ اس نے جواب دیا۔ ”عمران علی۔“

”عمران صاحب۔“ میں نے اسے اس کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر کوئی مراد خان آپ کو

پریشان کر رہا ہے تو بتائیں، اس سلسلے میں، میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''میرا جو بھی مسئلہ ہے اسے کوئی تجربہ کار وکیل ہی حل کر سکتا ہے۔'' وہ امید بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میرے ایک مخلص دوست نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے کسی وکیل سے جا کر ملوں۔ سو، میں آپ کے پاس آ گیا ہوں۔''

''بہت اچھا کیا جو تم میرے پاس آ گئے۔'' میں نے اس کی ہمت بڑھانے کے لیے قدرے بے تکلفی سے کہا۔ ''لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس طرح تمہارا مسئلہ حل نہیں کر سکتا۔''

''جی..... کیا مطلب ہے وکیل صاحب؟'' وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

''بھئی عمران میاں!'' میں نے کہا۔ ''جب تک مجھے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ تمہارے ساتھ دراصل کون سا مسئلہ ہے اس وقت تک میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ ابھی تو میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ کسی مراد خان کی وجہ سے تم پریشان ہو اور اس شخص سے تمہیں شدید نفرت بھی ہے۔''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے وکیل صاحب۔'' وہ خاصے اطمینان بھرے انداز میں بولا۔ ''آپ میرے مسئلے کو سمجھ گئے ہیں تو مجھے یقین ہے، آپ اسے حل بھی کر لیں گے۔''

میرا آپ سے تم پر آنا خاصا سود مند ثابت ہوا تھا۔ میں نے عمران علی کی پریشانی میں واضح کمی محسوس کی۔ ابھی اس نے میرے اندازہ لگانے اور مسئلہ سمجھنے کی جو بات کی تھی اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔ میں نے ابھی تک کوئی اندازہ قائم نہیں کیا تھا، جو کچھ بھی تھا اسی نے مجھے بتایا تھا اور مسئلہ جب تک وہ اپنی زبان سے بیان نہ کرتا، میں بھلا سمجھ کیسے سکتا تھا۔ خیر، میں نے اس حوالے سے اسے چھیڑنا مناسب نہ جانا اور اس کے جواب میں کہا۔

''عمران! مجھے بتاؤ، یہ مراد خان ہے کون؟''

''مراد خان میرے ڈیڈی کا دوست ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ڈیڈی کا دوست.....'' میں نے حیرت بھری نظر سے اسے دیکھا۔

''جی وکیل صاحب۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ میری بات کا یقین کریں۔''

''لیکن..... تمہارے ڈیڈی کا دوست تمہیں کیوں پریشان کر رہا ہے؟'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں استفسار کیا۔

''وہ بڑا کمینہ شخص ہے جناب۔'' وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''ایک نمبر کا لچا لفنگا، غنڈا بدمعاش..... وہ مجھے قتل کرانا چاہتا ہے اور..... وہ بھی اس طرح کہ اس کا کہیں نام نہ آئے۔ وہ کرائے کے قاتلوں سے میرا پتا صاف کروانا چاہتا تھا۔ مجھ پر ایک دو قاتلانہ حملے بھی ہو چکے ہیں۔ وہ تو اللہ کا کرم اور میری قسمت اچھی تھی کہ آپ کو زندہ نظر آ رہا ہوں۔''

میرے سامنے بیٹھا ہوا وہ دبلا پتلا دراز قد نوجوان عمران علی اپنی پریشانی کی جو کہانی سنا رہا تھا وہ خاصی دلچسپی کی حامل اور سنسنی خیز تھی لیکن میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ مراد خان اس کے باپ کا دوست ہوتے ہوئے اس کی جان کا دشمن کیوں بنا ہوا تھا۔ اسی سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے میں نے عمران علی سے پوچھا۔

''یہ مراد خان بھی کیسا شخص ہے۔ تمہارے ڈیڈی کا وہ دوست ہے اور تم سے دشمنی کر رہا ہے۔ یہ عجیب سی بات نہیں؟''

''ہاں..... یہ بات بہ ظاہر بڑی عجیب اور ناقابلِ یقین ہی لگتی ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن حقیقت یہی ہے۔''

''تمہارے خیال میں.....'' میں نے اس کا ذہن پڑھنے کی غرض سے پوچھا۔ ''میں ان حالات میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''آپ اس بدذات، ذلیل انسان مراد خان کا کوئی علاج کریں۔'' وہ نفرت بھرے لہجے میں بولا۔ ''اس پر کوئی ایسا قانونی پھندا ڈالیں کہ وہ خطرناک ارادوں سے باز آ جائے اور میرا پیچھا چھوڑ دے۔''

''ایسا ہو تو سکتا ہے مگر.....'' میں نے دانستہ توقف کیا۔

''مگر کیا وکیل صاحب؟'' وہ اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا۔

''مگر یہ کہ.....'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایک تو مجھے مراد خان کی مکمل ہسٹری معلوم ہونا چاہیے اور دوسرے اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ وہ ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟''

''اس مقصد کے لیے آپ کو میری پوری کہانی سننا پڑے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میں یہاں پر لوگوں کے مسائل اور مصائب بھری

کہانیاں سننے کے لیے ہی تو بیٹھا ہوں۔''

''پھر وعدہ کریں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔''میری بپتا سننے کے بعد آپ میرا مسئلہ حل کردیں گے۔''

''میں قبل از وقت ایسا کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔''اگر تمہاری کہانی سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سلسلے میں کسی نوعیت کی قانونی چارہ جوئی کرکے مراد خان کو خطرناک عزائم سے باز رکھا جاسکتا ہے تو میں تم سے مکمل تعاون کروں گا۔''

''اچھا جی ٹھیک ہے۔'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

آئندہ آدھے گھنٹے میں عمران علی نے مجھے ایک حیرت انگیز اور انکشافات سے بھرپور کہانی سنائی جس کے نتیجے میں اس کی مدد کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوگیا تھا۔ میں اس داستانِ عجیب میں سے غیر ضروری امور کو حذف کرکے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آگے بڑھنے سے پہلے آپ اس کیس کے پس منظر سے آگاہ ہوجائیں۔

☆☆☆

لگ بھگ ایک سال پہلے عمران علی اپنے والدین اور چھوٹی بہن لبنیٰ کے ساتھ نرسری کے علاقے میں رہتا تھا۔ اس کے ڈیڈی وحید علی کی اردو بازار کے نزدیک گاڑیوں کے ٹائرز کی ایک دکان تھی۔ وحید علی کا کام ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا لہٰذا گھر میں ہر طرف خوش حالی دکھائی دیتی تھی۔ یہ چار افراد کا کنبہ بڑے امن وسکون کے ساتھ پی ای سی ایچ ایس کے علاقے میں دوسوگز کے ایک بنگلے میں رہ رہا تھا۔ اس وقت عمران بی اے کا اسٹوڈنٹ تھا اور اس کی بہن لبنیٰ نویں میں تھی۔ لبنیٰ کی عمر کم وبیش سولہ سال تھی۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا کہ ان کی خوشیوں کو کسی بدنگاہ کی نظر لگ گئی۔

ایک روز لبنیٰ اسکول سے گھر نہیں پہنچی تو گھر میں افراتفری مچ گئی۔ تحقیق اور تفتیش پر پتا چلا کہ وہ اسکول سے چھٹی کے وقت صحیح سلامت گھر کے لیے روانہ ہوئی تھی مگر گھر پہنچنے سے پہلے ہی وہ کہیں غائب ہوگئی۔ یہ صورتِ حال گھر کے ہر فرد کے لیے یقیناً نہایت ہی تکلیف دہ اور ہوش اڑادینے والی تھی۔ لبنیٰ کی تلاش کے لیے کوششیں جاری ہی تھیں کہ شام سے کچھ دیر پہلے انہیں ایک فون کال موصول ہوئی۔ یہ فون گھر کے نمبر پر کیا گیا تھا۔

''ہیلو۔'' فون عمران کے ڈیڈی وحید علی نے ریسیو کیا کیونکہ وہ فون کے قریب بیٹھا تھا۔ ایک نامانوس آواز سن کر وہ اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا۔''کون......؟''

''کیا تم لبنیٰ کے باپ ہو؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''ہاں، ہاں......میں وحید بول رہا ہوں۔'' وحید علی نے جلدی سے کہا۔''تم کون ہو اور میری بیٹی کو کیسے جانتے ہو؟''

''تمہاری بیٹی لبنیٰ اس وقت میرے پاس ہے۔'' دوسری جانب بولنے والے نے بتایا۔''تم اس چکر میں نہ پڑو کہ میں کون ہوں۔ صرف اس پوائنٹ پر فوکس کرو کہ میں چاہتا کیا ہوں۔''

''تم کیا چاہتے ہو؟'' وحید علی نے پوچھا۔

''دس لاکھ روپے۔'' اس نامعلوم بھاری آواز والے شخص نے بتایا۔

''اوہ......!'' وحید علی ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''میں تمہیں زیادہ مہلت نہیں دے سکتا۔'' وحید علی کی سماعت میں دھمکی آمیز انداز میں کہا گیا۔''اس وقت شام کے چھ بجے ہیں۔ بس کل شام چھ بجے تک کا وقت ہے تمہارے پاس......یعنی چوبیس گھنٹے۔''

''رقم بہت زیادہ اور وقت بہت کم ہے۔'' وحید علی نے بوکھلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔''میں اتنی جلدی دس لاکھ روپے کا بندوبست نہیں کرسکتا۔''

''اور......میں تمہیں اس سے زیادہ مہلت نہیں دے سکتا۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔''میں ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ فون کروں گا۔ جب تک تم فیصلہ کرلینا کہ تمہارے لیے دس لاکھ روپے زیادہ اہم ہیں یا بیٹی کی زندگی۔''

''ایک منٹ......!'' وحید علی نے اضطراری انداز میں کہا۔''میں کیسے یقین کرلوں کہ میری بیٹی تمہارے قبضے میں ہے؟''

''میں تمہیں ابھی یقین دلاتا ہوں۔'' وہ شخص مخصوص بھاری بھرکم آواز میں بولا۔''ایک منٹ ٹھہرو۔''

وحید علی اور عمران علی ٹیلی فون سیٹ کے قریب ہی بیٹھے تھے۔ ریسیور وحید کے کان سے لگا تھا تاہم عمران بھی وہاں سے ابھرنے والی آواز کو بہ آسانی سن سکتا تھا۔ عمران کی والدہ حسینہ بیگم دوسرے کمرے میں تھی۔ وہ بیٹی کی گمشدگی سے تو باخبر تھی تاہم اس فون کال کا ابھی اسے پتا نہیں تھا۔ حسینہ دل کی مریضہ تھی۔

''ڈیڈی۔'' ریسیور میں لبنیٰ کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری تو وحید تڑپ اٹھا۔''یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ آپ مجھے

گھر لے جائیں۔"

"بیٹی، تم ٹھیک تو ہونا؟" وحید کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا کہے۔

"ابھی تک تو ٹھیک ہے۔" ریسیور میں دوبارہ وہی بھاری بھرکم آواز ابھری۔ "اور جب تک تم چاہو گے، یہ ٹھیک رہے گی۔"

لبنیٰ کی آواز سنانے کے بعد اسے فون سے دور ہٹا دیا گیا تھا اور دوبارہ وہی شخص وحید سے ہم کلام ہوگیا۔ وحید نے منت ریز لہجے میں کہا۔

"دیکھو...... تم جو کوئی بھی ہو، میری بیٹی کو ایک ذرا تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ میں تمہارا مطالبہ پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"کوشش نہیں، یہ کام تمہیں ہر قیمت پر کرنا ہے۔" وہ ٹھوس انداز میں بولا۔ "اور وہ بھی کل شام چھ بجے سے پہلے ورنہ......"

"میں نے کہا نا، میں کوشش کرتا ہوں۔" وحید نے بے بسی سے کہا۔ "تم ایک گھنٹے کے بعد فون کرو پھر بات کرتے ہیں۔"

"اور ہاں، ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا وحید علی۔" اسے پورے نام سے مخاطب کر کے دھمکی آمیز لہجے میں کہا گیا۔ "یہ معاملہ ہم دونوں پارٹیوں کے بیچ ہی رہنا چاہیے۔ اگر اس سلسلے میں تم نے کسی اور کو شامل کرنے کی کوشش کی یا بیٹی کی گمشدگی کی پولیس کو اطلاع دی تو پھر تمہیں لبنیٰ کی لاش ہی دیکھنے کو ملے گی۔"

"نن، نہیں...... نہیں نہیں۔" وحید نے اتنا ہی کہا تھا کہ دوسری طرف بات کرنے والے نے ٹیلی فونک رابطہ منقطع کر دیا۔ وحید بے جان ریسیور کو تکنے لگا۔

"ڈیڈی! ہمیں اس واقعے کی پولیس کو اطلاع دینی چاہیے۔" عمران علی نے باپ سے کہا۔ "ہمیں اس شخص کا مطالبہ نہیں ماننا چاہیے۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" وحید علی نے بیٹے کو جھڑک دیا۔ "یہ امریکا یا انگلینڈ کی پولیس نہیں ہے جو مغوی کا بال بھی بیکا نہ ہونے دے گی اور اسے اغوا کنندگان کے قبضے سے نکال لائے گی۔ ہمارے ملک میں جرائم پیشہ افراد قانون سے بالاتر ہو کر وارداتیں کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کو تو پولیس کی پشت پناہی بھی حاصل ہوتی ہے۔ میں اس واقعے کی رپورٹ درج کروا کے لبنیٰ کی زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔"

"تو اس کا مطلب ہے، آپ نے اغوا کنندگان کو دس لاکھ روپے دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" عمران علی نے شاکی نظروں سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔

وحید، بیٹے کے سوال میں پوشیدہ شکوے کو بہ خوبی سمجھ رہا تھا لیکن اس نازک موقع پر وحید نے وہ موضوع چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور نہایت ہی سنجیدگی سے کہا۔

"بیٹا! دس لاکھ روپے لبنیٰ کی زندگی سے زیادہ اہم تو نہیں ہیں۔"

"مگر آپ کے پاس اتنی بڑی رقم تو ہے نہیں۔" عمران نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ چوبیس گھنٹے کے اندر کیسے بندوبست کریں گے؟"

پچھلے دنوں عمران علی نے گاڑی لینے کے لیے وحید علی سے کچھ رقم مانگی تھی اور عمران کے ڈیڈی نے پیسے نہ ہونے کا کہہ کر فی الحال اس کی خواہش کو ٹال دیا تھا۔ گھر میں ایک کار موجود تھی اور وہ زیادہ تر وحید علی کے استعمال میں رہتی تھی۔ عمران نے الگ گاڑی لینے کی فرمائش کی تھی۔ ابھی عمران جو شکایت بھری گفتگو کر رہا تھا، وہ اسی تناظر میں تھی۔

"ابھی فوری طور پر تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ رقم کا بندوبست کیسے ہوگا۔" وحید علی نے بیٹے کے سوال کے جواب میں کہا۔ "ذرا مجھے سوچنے دو۔"

یہ آج سے لگ بھگ چالیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ مجھے سن...تو یاد نہیں، آپ...... کچھ سمجھ لیں۔ اس زمانے میں دس لاکھ روپے یقیناً ایک بڑی رقم ہوا کرتی تھی۔ اگر آج کل کی کرنسی ویلیو سے اس کا موازنہ کریں تو کم از کم ایک کروڑ سے اوپر کی رقم بنے گی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ یہ مسئلہ صرف سوچنے سے حل ہو جائے گا۔" عمران نے مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈی! دس لاکھ ارینج کرنے کے لیے آپ کو سر توڑ کوشش کرنا پڑے گی۔"

"میں کوشش کروں گا۔" وحید علی جذباتی ہوگیا۔ "میں اپنا سارا بزنس فروخت کر دوں گا مگر لبنیٰ پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

ادھر وحید کی بات ختم ہوئی، ادھر ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وحید نے چونک کر دیوار گیر کلاک کی جانب دیکھا۔ اغوا کنندہ نے ایک گھنٹے کے بعد فون کرنے کو کہا تھا اور ابھی صرف دس منٹ ہی گزرے تھے لہٰذا یہ اس شیطان کا فون تو ہو نہیں سکتا تھا۔ دوسری گھنٹی پر وحید نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور سنبھلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہیلو......!"

"یار وحید، کہاں غائب ہیں آپ؟" ایک جانی پہچانی آواز وحید کی سماعت سے ٹکرائی۔ "میں آپ کی دکان پر بھی گیا تھا۔ دکان کیوں بند کر رکھی ہے؟"

"دکان صبح تو میں نے کھولی تھی۔" وحید نے بتایا۔ "بس، دوپہر کے بعد مجبوراً بند کرنا پڑی۔"

"مجبوراً بند کرنا پڑی...... میں کچھ سمجھا نہیں؟" دوسری جانب سے بولنے والے نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "یار! سب خیریت تو ہے نا؟"

"خیریت نہیں ہے مراد خان۔" وحید روہانسا ہو گیا۔ "میں بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

مراد خان نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔ "کیسی مصیبت وحید صاحب؟"

"یار خان صاحب! معاملہ بہت نازک ہے۔" وحید نے محتاط لہجے میں کہا۔ "میں آپ کو فون پر تفصیل نہیں بتا سکتا۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ کے گھر آرہا ہوں۔" مراد خان جلدی سے بولا۔ "یہ تو اچھا ہوا، میں نے آپ کے گھر فون کر لیا۔ میں آپ کی دکان بند دیکھ کر واپس جارہا تھا تو خیال آیا، گھر پر فون کر لوں۔"

"پہلی فرصت میں آپ میرے پاس آجائیں۔" وحید نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس وقت میں بڑی شدت سے کسی ہمدرد اور غم گسار دوست کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں...... خان صاحب! پلیز جلدی آجائیں۔"

"اس کا مطلب ہے، مسئلہ زیادہ ہی سیریس ہے۔" مراد خان زیرلب بڑبڑایا پھر تسلی بھرے انداز سے میں کہا۔ "آپ فکر نہیں کریں وحید صاحب! میں بس، بیس پچیس منٹ میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

وحید علی نے ریسیور کریڈل کرنے کے بعد عمران سے کہا۔ "بیٹا! تم ماں کے قریب ہی رہو۔ تم جانتے ہو، وہ دل کی مریضہ ہے۔ اگر اسے لبنیٰ کے اغوا کے بارے میں پتا چل گیا تو اس کی طبیعت بگڑ بھی سکتی ہے۔"

"ممی کو لبنیٰ کی گمشدگی کی خبر ہے ڈیڈی اور وہ اس کی واپسی کے لیے بہت بے چین بھی ہیں۔" عمران نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر نے انہیں مکمل بیڈ ریسٹ کی تاکید کر رکھی ہے اس لیے وہ بیڈروم سے باہر نہیں آرہیں۔ میرا خیال ہے، انہیں سچائی سے آگاہ کر دینا چاہیے۔"

"تم سمجھ نہیں رہے ہو عمران۔" وحید علی نے بے چارگی سے کہا۔ "تمہاری ماں کا دل بہت کمزور ہو چکا ہے...... کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں ہوگا ڈیڈی۔" عمران نے اصراری لہجے میں کہا۔ "بے شک ممی کا دل کمزور ہو چکا ہے مگر میں سمجھتا ہوں، ان کا دماغ بہت مضبوط ہے، ورنہ جب انہیں پتا چلا تھا کہ لبنیٰ اسکول سے واپس نہیں آئی تو انہیں اس غم سے شدید قسم کا اٹیک ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ لبنیٰ کی گمشدگی سے بے حد فکرمند ضرور ہیں مگر میں سمجھتا ہوں، خطرے والی کوئی بات نہیں اس لیے......" وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا۔ ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"اس لیے اگر ممی کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا جائے تو میرے خیال میں زیادہ مناسب ہوگا۔ آگے آپ کی مرضی ہے......"

"ٹھیک ہے۔" وحید علی ہتھیار پھینکتے ہوئے بولا۔ "یہ کام تم ہی انجام دو۔ ابھی مراد خان یہاں پہنچنے والا ہے۔ میں ان کے ساتھ مصروف ہو جاؤں گا۔ اسی دوران میں تم اپنی ممی کو حالات سے باخبر کر دینا۔"

عمران اٹھا اور خاموشی کے ساتھ اپنی ممی کے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد مراد خان، وحید علی کے پاس پہنچ گیا۔ وحید نے نہایت ہی پریشانی کے عالم میں اسے خود پر ٹوٹنے والی مصیبت کے بارے میں آگاہ کیا۔ مراد خان نے پوری توجہ اور سنجیدگی سے اس کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"یہ آپ نے عقل مندی کا فیصلہ کیا کہ اس معاملے میں پولیس کو نہیں ڈالا۔"

"عمران خاصا جذباتی ہو رہا تھا۔" وحید علی نے کہا۔ "جوان خون ہے، وہ لبنیٰ سے بہت زیادہ محبت بھی کرتا ہے۔"

"آپ جانتے ہیں، محبت اندھی ہوتی ہے۔" مراد خان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "محبت سے مغلوب ہو کر جوش جذبات میں جو بھی فیصلے کیے جاتے ہیں ان کے نتائج بڑے بھیانک دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آپ کو اپنے ملک کی پولیس کے کردار اور کارکردگی کا بھی بہ خوبی اندازہ ہے۔ پولیس میں رپورٹ درج کروانے کا مطلب ہے، بچی کی زندگی سے کھیلنا۔ روزانہ کے اخبارات میں تین چار ایسی خبریں بھی ہوتی ہیں کہ اغوا کنندگان نے تاوان کی رقم نہ ملنے

پر مغوی کو قتل کر ڈالا یا پولیس کے متحرک ہوتے ہی اغوا کاروں نے مغوی کو ٹھکانے لگا کر اس کی لاش گندے نالے میں پھینک دی۔"

"ہاں...... یہ سب میں بھی سنتا اور پڑھتا رہتا ہوں۔" وحید علی نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے تو میں نے عمران کی بات نہیں مانی لیکن خان صاحب......" اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر تشویش ناک لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"دس لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔ میں ایک دن میں اتنے پیسے کا بندوبست نہیں کر سکوں گا۔"

"ہوں۔" مراد خان گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر چونکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "وہ آدمی دوبارہ کب فون کرے گا جس نے لبنیٰ کو اغوا کیا ہے؟"

"اس نے پہلے چھ بجے فون کیا تھا۔" وحید علی نے بتایا۔ "اور ایک گھنٹے بعد دوبارہ فون کرنے کو کہا تھا یعنی اب وہ سات بجے فون کرے گا۔"

"سات بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی ہیں۔" مراد خان نے دیوار گیر کلاک کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب جو وہ فون کرے تو بارگیننگ کی کوشش کریں۔ اس سے کہیں کہ آپ دس لاکھ ارینج نہیں کر سکتے۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" وحید علی مردہ سی آواز میں بولا۔ "ویسے مجھے نہیں امید کہ وہ اپنے مطالبے میں کسی لچک کا مظاہرہ کرے گا۔ آواز سے وہ کوئی بہت ہی ظالم اور شقی القلب لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے...... مگر کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔" مراد خان نے کہا۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔" وحید علی نے جواب دیا۔

مراد خان نے پوچھا۔ "وحید صاحب! آپ نے اس شخص کی آواز پر غور کیا تھا۔ وہ آپ کے کسی جاننے والے یا کسی دشمن کی آواز تو نہیں تھی؟"

"خان صاحب! یہ بات تو آپ بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا کوئی دشمن نہیں ہے۔" وحید علی نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "اور جہاں تک اس آدمی کی آواز کا تعلق ہے تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں، وہ آواز میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ سنی ہے۔"

"ہوں......" مراد خان نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے، وہ کوئی بہت ہی خطرناک اور پیشہ ور اغوا کار ہے۔"

وحید علی کی پریشانی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس زمانے میں نہ تو اسپیکر فون ایجاد ہوا تھا اور نہ ہی ابھی تک سی ایل آئی کی سہولت میسر تھی۔ میں یہ بات پاکستان میں حاصل الیکٹرونک سہولیات کی فراہمی کے پیش نظر کہہ رہا ہوں لہٰذا یہ پتا نہیں چل سکتا تھا کہ کال کرنے والا کون سا نمبر استعمال کر رہا تھا۔ دوسری گھنٹی پر وحید نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ اس کے ہیلو کہنے سے پہلے ہی دوسری جانب سے استفسار آ گیا۔

"ہاں...... تو تم نے دس لاکھ ادا کرنے کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟"

وحید نے فوراً اس کی آواز کو پہچان لیا۔ یہ وہی شخص تھا جس سے وحید کی پہلے بھی بات ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے کہنے کے عین مطابق ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد فون کیا تھا۔ وحید نے مراد خان کو مخصوص اشارہ کرنے کے بعد اغوا کار کو جواب دیا۔ اس کا انداز گھگیانے والا تھا۔

"بھائی...... دس لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔ میں اس کا انتظام نہیں کر سکوں گا۔ تم رقم کم کرو۔"

"اس کا مطلب ہے تمہیں اپنی بیٹی کی زندگی سے پیار نہیں ہے؟" اس شخص نے پوری سفا کی سے کہا۔

"زندگی پیاری ہے اس کی اور میں تمہارا مطالبہ پورا کرنا چاہتا ہوں۔" وحید نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ رقم میں کمی کر دو تاکہ میں تمہاری دی ہوئی مہلت کے اندر اس کا بندوبست کر سکوں۔"

"دس لاکھ تمہارے جیسے کاروباری آدمی کے لیے کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔" اغوا کار ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں تھا۔

اس دوران میں مراد خان بھی وحید علی کے ساتھ جڑا بیٹھا تھا اور کان ریسیور کے انتہائی قریب کر رکھا تھا۔ مراد خان نے ایک پرچی پر لکھ کر وحید کی طرف بڑھا دی۔ وحید نے مراد خان کی تحریر کی روشنی میں اغوا کار سے کہا۔

"دیکھو...... تم ایک باپ کی مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یقین کرو، میں واقعی دس لاکھ کا انتظام کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ سوچو، اگر میری جگہ تم ہوتے اور کوئی شخص تمہاری بیٹی کو اغوا کر لیتا تو تم......"

"بس، بس......!" دوسری جانب بولنے والے نے اضطراری انداز میں کہا۔ چند لمحات خاموشی سے دبے پاؤں گزر گئے۔ وحید کو تشویش ہوئی کہ وہ بندہ کہاں غائب ہو گیا۔ اس نے الجھن زدہ نظر سے مراد خان کی طرف

دیکھا پھر ماؤتھ پیس میں کہا۔

''کیا ہوا...... تم کہاں چلے گئے؟''

''تم نے میری بیٹی کا ذکر کر کے اپنے لیے میرے دل میں اپنی کافی گنجائش پیدا کر لی ہے۔'' وہ قدرے نرمی سے بولا۔ ''بتاؤ، کتنی رعایت کر دوں؟''

مراد خان بھی برابر یہ گفتگو کو سن رہا تھا۔ وحید نے سوالیہ نظروں سے مراد خان کی طرف دیکھا تو اس نے ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں کھڑی کر دیں۔

''بس پانچ لاکھ ٹھیک ہیں۔'' وحید علی نے اغوا کار سے کہا۔

''یہ تو بہت ہی کم ہیں۔'' اغوا کار بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''نہ تمہارے پانچ لاکھ اور نہ میرے دس۔ بس ایک ہی فگر بول رہا ہوں...... ساتھ لاکھ روپے۔ ایک پیسا کم نہ ایک پیسا زیادہ۔ تم رقم کے بندوبست میں لگ جاؤ۔ میں کل صبح تمہیں ٹھیک نو بجے فون کروں گا۔''

اس سے پہلے کہ وحید علی، اغوا کار کی بات کے جواب میں کچھ کہتا اس خبیث شخص نے فون بند کر دیا۔ وحید علی نے پریشان نظر سے اپنے دوست مراد خان کی طرف دیکھا۔ مراد نے بھی یہ تمام تر گفتگو سنی تھی۔ وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تو اس کا مطلب ہے، بیٹی کی بہ حفاظت واپسی کے لیے آپ کو ساتھ لاکھ روپے کا بندوبست کرنا ہوگا۔''

''مراد خان! ساتھ لاکھ اچھی خاصی رقم ہے۔'' وحید علی نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں راتوں رات اتنی رقم کا انتظام نہیں کر سکوں گا۔ مجبوراً مجھے......'' وہ کہتے کہتے رک گیا تو مراد خان نے پوچھا۔

''مجبوراً کیا وحید علی؟''

''مجھے اگر اپنا کاروبار اور گاڑی بھی بیچنا پڑی تو میں دیر نہیں کروں گا۔'' وحید نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''لبنیٰ سے بڑھ کر میرے لیے کیا ہو سکتا ہے۔''

''وحید صاحب! اس مصیبت کی گھڑی میں آپ کو اپنا گھر اور گاڑی فروخت کرنا پڑے تو پھر لعنت ہے مجھ جیسے دوستوں پر۔'' مراد خان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''پھر......'' وحید نے الجھن زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''پھر یہ مسئلہ کیسے حل ہوگا مراد خان؟''

''آپ آسانی سے کتنی رقم جمع کر سکتے ہیں؟'' مراد خان سوچتی ہوئی نظروں سے وحید علی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میرا مطلب ہے، اپنی سی کوشش کر کے...... کوئی چیز فروخت کیے بغیر؟''

وحید نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ''زیادہ سے زیادہ دو لاکھ روپے۔''

''ٹھیک ہے، آپ دو لاکھ کا بندوبست کر لیں۔''

''اور باقی کے پانچ لاکھ؟'' وحید علی کے لہجے میں گہرا تذبذب تھا۔

''پانچ لاکھ کے لیے میں کوشش کرتا ہوں۔'' مراد خان گہری سنجیدگی سے بولا۔

''آپ کر سکیں گے؟'' وحید خان نے بے یقینی سے اپنے دوست کی جانب دیکھا۔

''ہمتِ مرداں، مددِ خدا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں اپنے تعلقات کی ڈوریاں ہلاتا ہوں۔ اللہ بہت مہربان اور کرم کرنے والا ہے۔''

مراد خان پراپرٹی کا کام کرتا تھا۔ جوبلی کے علاقے میں اس کی ایک خوب چلتی ہوئی اسٹیٹ ایجنسی تھی۔ یہ تو وحید علی کو معلوم تھا کہ مراد خان کے تعلقات کا دائرہ خاصا وسیع تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ مراد خان کو اس کی کوشش میں کامیابی حاصل ہو۔

''اگر ایسا ہو جائے تو یہ آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا مراد خان۔'' وحید علی نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں بعد میں آپ کی رقم پائی پائی ادا کر دوں گا۔''

''بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی وحید صاحب۔'' مراد نے سرسری انداز میں کہا۔ ''اور آپ یہ احسان وحسان کی بات نہ کریں۔ اس وقت آپ پر بڑا مشکل وقت ہے۔ میں ایک سچا دوست ہونے کے ناتے آپ کے کام آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر کبھی خدانخواستہ مجھ پر بھی بُرا وقت پڑا تو آپ دوستی نبھا دیجیے گا اور جہاں تک اس پانچ لاکھ کی رقم کا تعلق ہے تو یہ یقیناً آپ مجھے واپس کریں گے کیونکہ میں بھی کہیں سے لے کر ہی آپ کو دوں گا۔ اگر میرے پاس ہوتے تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔''

''مراد خان! میں آپ کی رقم ضرور واپس کروں گا۔'' وحید علی نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ''لیکن اس کے لیے مجھے تھوڑا وقت درکار ہوگا۔''

''مل جائے گا وقت بھی۔'' مراد خان کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں اب چلتا ہوں تاکہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے چارہ جوئی کر سکوں۔''

پھر مراد خان، وحید علی کو تسلی تشفی دینے کے بعد اس کے گھر سے رخصت ہو گیا۔ وہ رات وحید علی، عمران علی اور

حسینہ بیگم کے لیے قیامت کی رات تھی۔ حسینہ بیگم کو تو چپ سی لگ گئی تھی۔ عمران علی کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اس کی والدہ مضبوط دماغ کی مالک تھی۔ صورتِ حال کی سنگینی سے اسے باخبر کردیا گیا تھا۔ وہ چپ چاپ لیٹی خاموشی سے آنسو بہائے جارہی تھی۔ ان لوگوں نے کوشش کر کے اس خبر کو گھر سے باہر نہیں جانے دیا تھا کہ لبنیٰ کو اغوا کرلیا گیا تھا۔

وحید علی کی کوششوں نے اس امر کو یقینی بنادیا تھا کہ وہ اگلی صبح دو لاکھ کا بندوبست کرسکے گا۔ اب اسے اپنے بے لوث دوست مراد خان کے فون کا انتظار تھا۔ مراد خان نے علی الصباح فون کیا اور یہ نوید سنائی کہ وہ دوپہر تک پانچ لاکھ کا انتظام کرنے میں کامیاب ہوجائے گا لہٰذا اگر اغوا کار فون کرے تو اسے دوپہر کے بعد کا کوئی وقت دیا جائے۔

''مراد خان! میں چاہتا ہوں کہ تم آج کا دن میرے ساتھ ہی رہو۔'' وحید علی نے تشکر اور منت کے ملے جلے انداز میں کہا۔ ''جب تک لبنیٰ گھر نہیں پہنچ جاتی، مجھے سکون نہیں آئے گا۔''

''میں دن میں رقم لے کر آرہا ہوں۔'' مراد نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''حوصلہ نہیں ہارو...... سب ٹھیک ہوجائے گا۔ جب تک یہ معاملہ نمٹ نہیں جاتا، میں تمہارے ہی پاس رہوں گا۔'' وحید علی نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کر کے فون بند کردیا۔

ٹھیک نو بجے اغوا کار کا فون آگیا۔ اس نے وحید کے ہیلو کے جواب میں سوال کیا۔

''رقم کا انتظام ہوگیا؟''

''دوپہر تک ہوجائے گا۔''

''پکا یا...... ڈانواں ڈول؟''

''پکا......!'' وحید نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، میں سہ پہر میں تین بجے فون کروں گا۔'' وہ تحکمانہ انداز میں بولا۔ ''پھر طے کریں گے کہ تم نے رقم لے کر کہاں پہنچنا ہے اور ہاں......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''تم نے کہیں اسمارٹ بننے کی کوشش تو نہیں کی؟''

''نہیں بالکل نہیں۔'' وحید علی نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تم نے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔'' وہ سراہنے والے انداز میں بولا۔ ''میرا ایک آدمی مسلسل تمہاری اور تمہارے گھر کی نگرانی کررہا ہے۔ ادھر تم نے ہوشیاری دکھائی ادھر تمہاری بیٹی کی زندگی کا چراغ پھُو...... مطلب، گل۔''

''نہیں، نہیں۔'' وحید علی تڑپ کر بولا۔ ''میں نے ایسی غلطی اب تک نہیں کی اور نہ ہی کروں گا۔''

''مجھے تمہاری بات کا یقین ہے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''میرا آدمی تمہاری رپورٹنگ کررہا ہے۔ ابھی تک تم نے میری ہدایت پر عمل کیا ہے اور مجھے امید ہے آئندہ بھی تم اسی معقولیت کا مظاہرہ کرو گے۔''

''میں تمہیں کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔'' وحید نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''اور تم بھی میری بیٹی کو ذرا سی تکلیف نہیں پہنچاؤ گے۔''

''میں اپنے وعدے کا پاس کروں گا۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولا۔ ''تم تعاون کررہے ہو تو میں بھی تمہاری بیٹی کے کھانے پینے، سونے جاگنے کا خیال رکھے ہوئے ہوں۔ اس حوالے سے تم بالکل مطمئن رہو۔''

''میری لبنیٰ سے بات کروادو گے؟'' وحید نے گھگیائے ہوئے انداز میں کہا۔

''سہ پہر تین بجے بات کرواؤں گا۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔ ''ابھی نہیں۔''

''پلیز۔'' وحید علی کی آواز لجاجت سے لبریز تھی۔

''سوری۔'' اغوا کار نے کھردرے انداز میں کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔

وحید نے اس روز بھی دکان نہیں کھولی۔ مارکیٹ والوں اور پڑوسی دکان داروں سے اس نے کہہ دیا تھا کہ حیدرآباد میں کسی عزیز کا انتقال ہوگیا ہے لہٰذا دکان بند ہی رہے گی۔ مختلف زاویوں میں بھاگ دوڑ کر کے اس نے دو لاکھ کیش کا بندوبست کرلیا تھا۔ دوپہر کے وقت مراد خان بھی پانچ لاکھ کے کرنسی نوٹ لے کر اس کے گھر آگیا۔

''وحید صاحب! آپ کی قسمت اچھی ہے جو رقم کا انتظام ہوگیا۔'' مراد خان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ورنہ میں تو مایوس ہونے کے قریب تھا۔ بس، اللہ نے مہربانی کی اور ایک جگہ بات بن گئی۔''

''مایوسی کو اسی لیے گناہِ عظیم کہا گیا ہے کہ اس کیفیت میں گرفتار ہو کر انسان اپنے اللہ سے دور ہوجاتا ہے۔'' وحید نے رقم کا انتظام ہوجانے پر قدرے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔ ''اب مجھے یقین ہوچلا ہے کہ میری لبنیٰ شام سے پہلے صحیح سلامت گھر آجائے گی۔''

''انشاءاللہ۔'' مراد خان نے پُریقین انداز میں کہا پھر

رقم والا لفافہ وحید کی جانب بڑھاتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''آپ رقم گن لیں۔''

''آپ گن کر لائے ہیں، میرے لیے یہی کافی ہے۔''

''میں تو گن کر ہی لایا ہوں۔'' مراد خان نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''اور اس رقم کی گنتی تو ویسے بھی بہت آسان ہے۔ سیدھے سیدھے، لاکھ والے پانچ پیکٹ بنے ہوئے ہیں اور نوٹ بالکل نئے ہیں۔'' باتوں کے دوران ہی میں مراد خان نے براؤن لفافے میں سے کرارے نوٹوں کے پانچ پیکٹ نکال کر وحید علی سے کہا۔ ''یہ اپنے پاس رکھ لیں۔''

وحید نے نوٹوں کو ہاتھ نہیں لگایا اور یہ کہتے ہوئے گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ ''ایک منٹ مراد خان میں ابھی آتا ہوں۔''

مراد خان اثبات میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

وحید علی ایک منٹ سے پہلے ہی واپس آ گیا اور قدرے استعمال شدہ نوٹوں کے دو پیکٹ بھی ساتھ لایا۔ وہ دو لاکھ کی رقم اپنے دوست کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

''خان صاحب! ان کو بھی بھورے لفافے میں رکھ لیں۔ سات لاکھ ایک ہی جگہ رہیں تو اچھی بات ہے۔''

مراد خان نے مذکورہ دو لاکھ روپے بھی اسی لفافے میں ڈال لیے جس میں وہ اپنے پانچ لاکھ رکھ کر لایا تھا۔ لفافے پر ربر بینڈ چڑھانے کے بعد اس نے وحید علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کوئی چمڑے یا ریگزین کا چھوٹا سا ہینڈ بیگ چاہیے ہوگا۔ اتنی بڑی رقم کو لفافے میں رکھ کر گھومنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔''

''ایسا بیگ ہے میرے پاس۔'' وحید نے کہا۔ ''میں ابھی لے کر آتا ہوں۔''

وہ ایک بار پھر گھر کے اندرونی حصے کی طرف گیا اور مذکورہ بیگ لے کر آ گیا۔ سات لاکھ کی خطیر رقم (اس وقت کے حساب سے) کو بیگ میں ڈال کر ایک الماری میں محفوظ کر دیا گیا۔ دن کے کھانے کے نام پر انہوں نے تھوڑا زہر مار کیا پھر اغوا کنندہ کے فون کا انتظار کرنے لگے۔ فون سیٹ ان کے قریب ہی رکھا ہوا تھا۔

اغوا کار وقت اور وعدے کا بہت پابند ثابت ہو رہا تھا۔ ٹھیک تین بجے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ آخری ٹیلی فونک گفتگو میں اغوا کار نے تین بجے سہ پہر ہی فون کرنے کو کہا تھا۔ مراد خان بھی وحید کے نزدیک آ گیا۔ وحید نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور اضطراری لہجے میں کہا۔

''ہیلو......!''

''ہاں وحید علی۔'' دوسری جانب سے اسی مخصوص آواز میں پوچھا گیا۔ ''رقم کا بندوبست ہو گیا ہے؟''

''جی......رقم تیار ہے۔'' وحید نے جلدی سے کہا۔ ''اب تم وعدے کے مطابق، لبنیٰ سے میری بات کرواؤ۔''

''ٹھیک ہے۔'' اغوا کار نے سرسری انداز میں کہا۔

اگلے ہی لمحے لبنیٰ کی مطمئن آواز وحید علی کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''ڈیڈی! مجھے بتایا گیا ہے، آپ نے مجھے چھڑانے کے لیے رقم کا انتظام کر لیا ہے؟''

''ہاں......میری جان۔'' وحید نے جذباتی انداز میں کہا۔ ''تم پریشان نہیں ہونا۔ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے تم میری نظر کے سامنے، اپنے گھر میں ہو گی۔''

"تھینک یو ڈیڈی۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ان لوگوں نے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی؟" وحید علی نے بڑے دلار سے پوچھا۔

لبنیٰ کے بجائے اغوا کار کی آواز سنائی دی۔ "مجھے ٹھیک پانچ بجے رقم چاہیے۔"

یقیناً اس شخص نے لبنیٰ کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا تھا۔ وحید علی نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔ "مل جائے گی...... بتاؤ رقم کہاں پہنچانا ہوگی؟"

"میں تمہیں زیادہ دور بلا کر زحمت نہیں دوں گا۔" اغوا کار نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ جگہ تمہارے گھر سے بہ مشکل پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر ہے۔ تم ٹھیک پانچ بجے میری بتائی ہوئی جگہ پر، رقم کے ساتھ موجود ہوگے۔"

"ٹھیک ہے۔" وحید علی نے جلدی سے کہا۔ "مگر وہ جگہ کون سی ہے؟"

"ملاقات کے مقام کے بارے میں، میں تمہیں ساڑھے چار بجے بتاؤں گا۔" اس شخص نے کہا۔ "اس کے بعد تم دس پندرہ منٹ کے اندر اپنے گھر سے نکل پڑو گے۔ میرا وہ آدمی جو تمہاری نگرانی پر مامور ہے، وہ مذکورہ مقام تک تمہارا تعاقب کرے گا۔ جب تم میرے بتائے ہوئے مقام تک پہنچ جاؤ گے تو میرا ایک دوسرا آدمی تمہارے پاس آئے گا اور تم سے رقم لے لے گا۔"

"مگر میں تمہارے آدمی کو پہچانوں گا کیسے؟" وحید علی نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سوال کر دیا۔

"تم اس کے لیے اور وہ تمہارے لیے اجنبی ہے۔" اس شخص نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "پہچان کوڈ ورڈز کے تبادلے سے ہوگی۔ میرا جو آدمی تمہاری نگرانی کے فرائض انجام دے رہا ہے، وہ تمہارے پاس آنے والے آدمی سے بہ خوبی واقف ہے۔ وہ اسے تمہارے بارے میں بتا دے گا۔ میرا آدمی سیدھا تمہارے پاس پہنچے گا۔ کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"کوڈ ورڈز کیا ہوں گے؟" وحید علی نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میرا آدمی تمہارے پاس آکر کہے گا...... تمہیں جس چیز کی تلاش ہے، وہ میرے پاس ہے۔ بولو، خریدو گے؟ تم کہو گے، ہاں خریدوں گا۔ کتنے کی دو گے؟ وہ کہے گا، ساتھ لاکھ کی۔ تم کہو گے، ٹھیک ہے، وہ کہے گا نکالو سات لاکھ۔ تم رقم اس کے حوالے کر دو گے۔ اللہ اللہ، خیر سلا۔"

"ایسے کیسے خیر سلا......؟" وحید علی نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم نے میری بیٹی کا تو کہیں ذکر ہی نہیں کیا۔ لبنیٰ کو تم کس طرح میرے حوالے کرو گے؟"

"جب تم سات لاکھ کی رقم میرے آدمی کو دے دو گے تو وہ ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہے گا وہ دیکھو، تمہاری بیٹی۔ تم جب اس سمت دیکھو گے تو اپنی بیٹی کو فوراً پہچان لو گے۔ تمہاری بیٹی لبنیٰ کو میں تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچا دوں گا مگر تم رقم ادا کیے بغیر اسے حاصل نہیں کرسکو گے۔ میرا آدمی رقم لے کر تم سے رخصت ہو جائے گا اور تم اپنی بیٹی کو لے کر گھر چلے جانا۔ اب تو میں کہہ سکتا ہوں نا...... اللہ اللہ، خیر سلا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" وحید نے اضطراری انداز میں کہا۔ "لیکن دیکھ لو...... کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔"

"کیا تمہارا کوئی گڑبڑ کرنے کا ارادہ ہے؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"نن...... نہیں۔" وحید جلدی سے بولا۔ "بالکل نہیں۔"

"جب تم کوئی گڑبڑ نہیں کرو گے تو مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ گڑبڑ کروں۔" وہ برہمی سے بولا۔ "میں ایک اصول پسند کاروباری ہوں۔"

"ٹھیک ہے، تم نے جیسا کہا ہے، میں بالکل ویسا ہی کروں گا۔" وحید علی نے مصلحت آمیز انداز میں کہا۔ "مجھے اپنی بیٹی صحیح سلامت واپس چاہیے۔"

"تم نے کسی حماقت کے بارے میں تو نہیں سوچا؟"

"بالکل نہیں۔"

"تمہاری نگرانی پر مامور شخص نے مجھے بتایا ہے کہ کل رات سانولے رنگ کا ایک پستہ قامت آدمی تم سے ملنے آیا تھا۔" اغوا کار نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اور میری تازہ ترین معلومات کے مطابق، وہ بندہ آج دوپہر سے تمہارے گھر میں موجود ہے۔ وہ کون ہے اور کیا کرتا پھر رہا ہے؟"

"وہ میرا ایک مخلص دوست ہے۔" وحید نے جواب دیا۔ "مراد خان۔"

"کیا اس بندے نے تمہیں کسی مہم جوئی کے لیے اکسایا ہے؟"

"نہیں...... مراد خان بہت ہی معقول شخص ہے۔" وحید علی نے جلدی سے جواب دیا۔ "میں اسی کے تعاون سے لاکھوں روپے کا بندوبست کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس کا بھی یہی مشورہ ہے کہ ایسے نازک معاملات میں پولیس کو ملوث نہیں کرنا چاہیے۔"

''اوہ...... یہ تو خاصا عقل مند اور سمجھ دار انسان ہے۔'' اغوا کار نے تعریفی لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے، اب میں ساڑھے چار بجے تمہیں فون کروں گا۔ تم ذہنی اور جسمانی طور پر تیار رہنا۔''

''ایک منٹ......'' وحید کو یوں محسوس ہوا تھا کہ اغوا کار فوراً فون بند کردے گا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنے دوست مراد خان کو بھی ساتھ لے آؤں؟'' وحید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''مورل سپورٹ؟''

''یہی سمجھ لو۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ دریا دلی سے بولا۔ ''مگر کسی شیطانی خیال کو ذہن میں جگہ نہیں دینا۔ کسی بھی نوعیت کی مہم جوئی تمہاری بیٹی کی زندگی کے لیے انتہائی مہلک ثابت ہوگی۔''

''تم مطمئن رہو۔'' وحید نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''میں ایسی کوئی حماقت کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''شاباش۔'' یہ کہتے ہوئے اغوا کار نے رابطہ منقطع کردیا۔

وحید نے ریسیور کریڈل کرنے کے بعد مراد خان کی طرف دیکھا اور حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ ''اس آدمی نے بڑا مربوط نیٹ ورک قائم کررکھا ہے۔ اسے میرے پاس آنے جانے والوں کی پوری خبر ہے۔''

''جو لوگ پیشہ ور مجرم ہوتے ہیں وہ کچے کام نہیں کرتے۔'' مراد خان نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہم نے بہت عقل مندی کی جو لبنیٰ کے اغوا کی رپورٹ درج نہیں کروائی ورنہ جیسے ہی اغوا کار کو خبر ہوتی کہ ہم پولیس کی مدد لینے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ لبنیٰ کی جان سے کھیل سکتا تھا۔''

''ہوں......!'' وحید کے چہرے پر تفکر کی پرچھائیں نمودار ہوئی۔ ''میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے......'' اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیسی بات؟'' مراد خان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''لبنیٰ کو اغوا کرنے والا آپ پر بھروسا کررہا ہے۔''

وحید علی نے بات ادھوری چھوڑی تو مراد خان نے پوچھا۔ ''پھر؟''

''آپ میرے ساتھ تو جا ہی رہے ہیں۔'' وحید وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ اغوا کے بتائے ہوئے مقام سے کچھ فاصلے پر آپ سے الگ ہوجاؤں اور رقم لے کر آپ مذکورہ مقام تک جائیں...... میں دور کھڑا دیکھتا رہوں گا۔ اس کے آدمی کے رخصت ہونے کے بعد ہم دونوں لبنیٰ کو لے کر گھر آجائیں گے۔''

''آپ نروس ہورہے ہیں نا...؟'' مراد خان نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاں خان صاحب۔'' وحید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میرے اعصاب پر بہت زیادہ دباؤ ہے۔ میں لبنیٰ کے لیے بہت جذباتی ہوجاتا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ رقم کی ادائیگی کے وقت مجھ سے کوئی ایسی غلطی ہوجائے اور لبنیٰ......''

وحید کی ادھوری بات کے نتیجے میں مراد خان اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر اس کے نزدیک بیٹھ کر، اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ ''حوصلہ رکھیں وحید صاحب۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''گویا آپ میری بات ماننے کے لیے تیار ہیں؟'' وحید نے استفساریہ نظروں سے اپنے دوست کی جانب دیکھا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' مراد خان جلدی سے بولا۔ ''لیکن ظاہر ہے، اس فیصلے کا اختیار مجھے نہیں ہے۔ جب اغوا کار کا فون آئے تو آپ اس سے بات کرکے دیکھ لیجیے گا۔ اگر وہ اس بات پر راضی ہوجاتا ہے تو ٹھیک ہے۔''

مراد خان کے ساتھ وحید علی کی دوستی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن اس مختصر سی مدت کے دوران میں وحید اس پر اندھا اعتماد کرنے لگا تھا۔ جبھی اس مصیبت کی گھڑی میں مراد خان ہی اسے سب سے زیادہ قابلِ بھروسا نظر آرہا تھا اور مراد خان نے راتوں رات اپنے دوست کے لیے پانچ لاکھ کی بھاری رقم کا انتظام کرکے حقِ دوستی نبھادیا تھا۔

اغوا کار کی اگلی کال سے پہلے دونوں دوستوں میں اس موضوع پر مختلف زاویوں سے گفتگو ہونے لگی۔ عمران علی کو وحید نے حسینہ بیگم کی دیکھ بھال کے لیے مختص کردیا تھا اور اس نوجوان نے بڑے سلیقے اور ذمے داری سے اپنی ماں کو سنبھال رکھا تھا۔ اس گھر پر جو اچانک افتاد ٹوٹی تھی اسے کسی نہ کسی طرح بڑی خوبی سے ہینڈل کرلیا گیا تھا۔ بس، ایک آخری مرحلہ باقی تھا جس کے بعد سب ٹھیک ہوجانا تھا۔

ساڑھے چار بجے اغوا کنندہ کا فون آگیا۔ وحید علی کے ہیلو کے جواب میں اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک پانچ بجے......ل پارک میں سب سے بڑی

پہاڑی کی چوٹی پر تمہیں موجود رہنا چاہیے جہاں بچوں کے کھیلنے کودنے کے لیے جھولے وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔ تم آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا کر آؤ گے ..... ایسا کوئی چشمہ ہے تمہارے پاس؟''

''جی ہے۔ سن گلاسز ہیں میرے پاس۔'' وحید نے جلدی سے جواب دیا۔ ''میں وہ گلاسز پہن لوں گا۔''

''رقم کس چیز میں رکھ کر لاؤ گے؟'' اغواکار نے پوچھا۔

''ریگزین کے بیگ میں۔'' وحید علی نے جواب دیا۔ ''سات لاکھ کے کرنسی نوٹ ایک بھورے رنگ کے لفافے میں ہوں گے اور وہ لفافہ ریگزین کے بیگ کے اندر۔ پانچ لاکھ کے نئے نوٹ ہیں اور دو لاکھ کے استعمال شدہ۔''

''نئے اور استعمال شدہ نوٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''بس اصلی ہونے چاہئیں۔ میرا آدمی نوٹ چیک کرنے کے بعد ہی لبنیٰ کو تمہارے حوالے کرے گا۔'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک آسودہ سانس خارج کی پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔

''نئے نوٹوں کا تو ایسے بتا رہے ہو جیسے ایک نیا نوٹ، دو کے برابر ہوتا ہے۔''

''تم بے فکر رہو۔'' وحید نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''تمام نوٹ ایک دم اصلی ہیں۔''

''بس.... تو پھر تم بھی بے فکر ہو جاؤ۔'' وہ شخص فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ ''تمہاری بیٹی صحیح وسالم تم تک پہنچ جائے گی۔''

اس کے بعد وحید علی نے نہایت ہی منت ریز انداز میں وہ بات کی جس کا تھوڑی دیر پہلے وہ مراد خان سے ذکر کر چکا تھا لیکن اغواکار نے بڑی شدت سے انکار کر دیا۔

''تمہارا وہ پستہ قامت دوست صرف پارکنگ تک تمہارے ساتھ آسکتا ہے۔'' وحید کی سماعت پر اغواکار کی کرخت آواز نے ہتھوڑا برسایا۔ ''اس سے آگے نہیں۔ تم رقم والے بیگ کے ساتھ اکیلے ہی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچو گے۔ میرا وہ آدمی پارکنگ ہی سے تمہارے تعاقب میں لگ جائے گا جو تم سے رقم لے گا۔ فکر نہیں کرو، تمہیں پہاڑی پر زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔''

اس کے بعد کسی سوال یا اعتراض کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اغواکار نے ٹیلی فونک سلسلہ موقوف کیا تو مراد خان اور وحید علی تیاری کے ساتھ گھر سے نکل کر ہل پارک کی جانب روانہ ہو گئے۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر تمام مراحل بہ خیر وخوبی طے پا گئے۔ وحید علی نے اغواکار کی ہدایات پر من وعن عمل کیا اور اس جرم زادے نے بھی اپنا کہا نبھا کر دکھا دیا تھا جس کے نتیجے میں ٹھیک ساڑھے پانچ بجے لبنیٰ اپنے گھر کے اندر موجود تھی۔ اس گھر کے مکینوں نے پچھلے لگ بھگ تیس گھنٹے جس اعصاب شکن اور اذیت ناک فضا میں گزارے تھے یہ صرف انہی کے دل ودماغ جانتے تھے۔ لبنیٰ کے اغوا کے واقعے کو ایسا صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا کہ آس پڑوس میں بھی کسی کو اس سانحے کی خبر نہیں تھی حتیٰ کہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وحید علی کے گھر میں کچھ غیر معمولی ہو چکا ہے۔

مراد خان نصف شب تک وحید علی کے ساتھ رہا تھا۔ آئندہ روز بیماری کا بہانہ کر کے لبنیٰ کے اسکول سے چند یوم کی چھٹی منظور کروالی گئی تھی۔ وحید علی چاہتا تھا کہ وہ مکمل آرام کرے۔ عمران نے بھی گھر سے نکلنا موقوف کر دیا تھا البتہ ایک آدھ روز کے بعد وحید علی دکان پر جانے لگا تھا۔ چند روز میں تمام معاملات معمول پر آگئے اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

وحید علی کو سب سے زیادہ فکر ان پانچ لاکھ روپے کی تھی جو مراد خان نے اسے دیے تھے۔ بہرحال، یہ قرض کی رقم تو اسے واپس کرنا ہی تھی لیکن فوری طور پر یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کی بیوی دل کی مریضہ تھی اور ہارٹ اٹیک کے بعد تو وہ مکمل طور پر بستر کی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا علاج بھی خاصا مہنگا تھا جو ہر حال میں جاری رکھنا ضروری تھا۔

وحید علی بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہا تھا کہ اس پر ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی۔ ایک روز پتا چلا کہ حسینہ بیگم کو کسی علاج کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ بیوی کی موت نے وحید علی کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ عمران اور لبنیٰ کو بھی یقیناً دلی اور ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ کہا جاتا ہے، وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ گزرتے ہوئے شب وروز کے ساتھ رفتہ رفتہ ان تینوں کو بھی صبر آ ہی گیا۔ ان کے دل ودماغ نے بہرحال اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ جانے والی جا چکی تھی۔ رونے دھونے اور ٹھنڈی آہیں بھرنے سے کسی بھی قیمت پر اس خلا کو پُر نہیں کیا جاسکتا۔

وحید علی کی اصل مشکلات کا آغاز اس وقت ہوا جب حسینہ بیگم کی موت کو ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے۔ ایک روز مراد خان اس کی دکان پر آیا۔ وہ خاصا تھکا ہوا اور پریشان دکھائی دیتا تھا۔ وحید علی نے اس سے پوچھا۔

''کیا بات ہے خان صاحب! آج آپ خاصے ڈاؤن نظر آرہے ہیں؟''

''بات پریشانی کی ہے لیکن سمجھ میں نہیں آرہا کیسے

کہوں۔" وہ مبہم سے انداز میں بولا۔
"بس، ایسے ہی کہہ دیں جیسے آپ بات کررہے ہیں۔" وحید پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "مجھ سے کچھ کہنے کے لیے آپ کو اتنا زیادہ متذبذب ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"
"وحید صاحب!" مراد خان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔"
وحید علی نے ایک افسردہ سی سانس خارج کی اور پوچھا۔ "خان صاحب! آپ کا کام کتنے پیسوں سے چل جائے گا؟"
"بات کام چلانے کی نہیں ہے وحید صاحب۔"
"پھر......؟" وحید علی کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔
مراد خان گمبھیر انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "وحید صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے جس شخص سے وہ رقم لے کر آپ کو دی تھی، میں اسے اب مزید نہیں بھگت سکتا۔"
"نہیں بھگت سکتا......" وحید علی نے اسی کے الفاظ دہراتے ہوئے پوچھا۔ "اس کا کیا مطلب ہے خان صاحب؟"
"میں نے آج تک آپ سے ذکر نہیں کیا اور ایک سال گزر گیا۔" مراد خان وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "دراصل میں نے وہ پانچ لاکھ ایک پارٹی سے سود پر لے کر آپ کو دیے تھے۔"
"سود پر......؟" وحید علی اچھل پڑا۔ "اتنی بڑی غلطی آپ نے کیوں کی؟"
"اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔" مراد خان اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ پر بہت بڑی مصیبت نازل ہوگئی تھی۔ میں نے ہر جگہ کوشش کرکے دیکھ لی تھی لیکن رقم کا انتظام نہیں ہوسکا تھا۔ میں آپ کو بے یار و مددگار بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ یہی ایک راستہ نظر آیا تو میں نے آپ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے سود پر پانچ لاکھ قرض اٹھا لیے۔"
"اوہ میرے خدایا......!" وحید علی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "ایک سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد تو وہ رقم دگنی ہوگئی ہوگی۔"
"نہیں۔" مراد خان نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں نے اصل رقم کا ایک پیسا بھی آگے بڑھنے نہیں دیا۔ وہ اب بھی پانچ لاکھ روپے ہی ہیں۔"
"اس کا مطلب ہے......" وحید علی نے ہیجانی انداز میں کہا۔ "آپ اس رقم پر باقاعدہ ہر ماہ سود ادا کرتے رہے ہیں؟"
"جی وحید صاحب! آپ کا اندازہ درست ہے۔" مراد خان اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "لیکن اب میری ہمت جواب دے گئی ہے۔"
"اوہ......!" وحید علی تشویش بھرے انداز میں اپنے دوست کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ پچھلے ایک سال سے، کس شرح کے حساب سے سود ادا کرتے رہے ہیں؟"
"دس فی صد کے حساب سے۔" مراد خان نے جواب دیا۔
"دس فی صد۔" وحید علی کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ "یعنی سو پر دس روپے، ہزار پر سو روپے، لاکھ پر دس ہزار روپے اور پانچ لاکھ پر پچاس ہزار روپے ماہانہ......اوہ مائی گاڈ۔"
"جی......آپ نے بالکل درست حساب لگایا ہے۔"
"پچھلے ایک سال میں آپ اس سود خور پارٹی کو پانچ لاکھ کی اصل رقم پر چھ لاکھ روپے سود ادا کرچکے ہیں؟" وحید علی پر گویا حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔
"اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا وحید صاحب۔" مراد خان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال تھا، آپ دو تین ماہ میں رقم واپس کردیں گے مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا اور میں سود کی دلدل میں پھنستا چلا گیا لیکن اب میری ہمت جواب دے گئی ہے۔" لمحاتی توقف کرکے مراد خان نے ہمدردی بھری نظروں سے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔ وحید علی عقیدت واحترام سے لبریز انداز میں اسی کو تک رہا تھا۔ مراد خان نے بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔
"میں نے جو کچھ اب تک کیا وہ دوستی نبھائی ہے وحید صاحب۔ میں آپ سے ایک پیسے کا تقاضا نہیں کروں گا۔ بس، اتنی ہی عرض ہے کہ یہ معاملہ اب آپ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ چاہیں تو پانچ لاکھ یکمشت ادا کرکے سود کے اس شیطانی چکر سے جان چھڑا لیں یا پھر جب تک رقم کا بندوبست نہیں ہوتا، آپ ہر ماہ اپنی جیب سے پچاس ہزار سود ادا کرتے جائیں۔"
وحید علی کے پاس پانچ لاکھ کی رقم موجود نہیں تھی اور نہ ہی دکان سے اتنی آمدنی تھی کہ وہ ہر ماہ پچاس ہزار ادا کر پاتا۔ چند لمحات سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا۔
"مراد خان! آپ جانتے ہیں، میرے گھر پر کتنی بڑی قیامت ٹوٹی ہے۔ اس وقت میری ایسی پوزیشن نہیں کہ یکمشت یا ماہانہ سود والی ادائیگی کے طریقے پر عمل کرسکوں۔"

''مجھے سب معلوم ہے وحید صاحب۔'' مراد خان نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔ ''لیکن میں مجبور ہوں۔ اس سلسلے کو مزید جاری رکھنا میرے بس میں نہیں۔''

''ٹھیک ہے دوست۔'' وحید نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''قدرت نے ہم دونوں کو کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے...... مجھے ایک دن سوچنے کے لیے دے دیں۔ میں کل آپ کو جواب دوں گا۔''

''آپ دو تین دن اچھی طرح غور وفکر کرلیں وحید صاحب۔'' مراد خان ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''لیکن جو بھی فیصلہ کریں اس سے یہ مسئلہ حل ہونا چاہیے۔''

''آپ فکر نہ کریں۔'' وحید نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ ''آپ نے میری خاطر پہلے ہی بہت قربانی دی ہے۔ میں آپ کو مزید پریشان نہیں ہونے دوں گا۔ انشاءاللہ میں اس مسئلے کو حل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

مراد خان امید لے کر وحید کی دکان سے رخصت ہو گیا۔ اسی رات وحید علی نے عمران اور لبنیٰ کے ساتھ ایک سنجیدہ میٹنگ کی اور انہیں صورتِ حال کی سنگینی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس اس بحران سے نکلنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ آپ لوگ مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''وہ دو طریقے کون سے ہیں؟'' عمران نے سوال اٹھایا۔

''نمبر ایک، میں اپنی دکان کو مال سمیت فروخت کردوں۔'' وحید علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''نمبر دو، اس بنگلے کو فروخت کر کے ہم کسی چھوٹے گھر میں شفٹ ہو جائیں۔ اللہ نے مہربانی فرمائی تو دوبارہ بنگلا...... اس سے بھی بڑا بنگلا بن جائے گا۔''

''میرا خیال ہے، بنگلے کو فروخت کردینا چاہیے۔'' لبنیٰ نے کہا۔ ''جمے جمائے بزنس کو فروخت کرنا عقل مندی نہیں ہوگی۔ اگر دکان آپ کے ہاتھ میں رہی تو آپ اس سے کما کر دوبارہ بنگلا بنالیں گے۔''

''تم کیا کہتے ہو عمران؟'' وحید نے سوالیہ نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

''میں لبنیٰ کی تجویز سے متفق ہوں ڈیڈی۔'' عمران نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ ''سود والے عذاب سے اسی صورت نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔''

چنانچہ اس رات فیصلہ ہو گیا کہ وحید علی اپنا بنگلا فروخت کردے گا۔ اگلی صبح اس نے دکان پر پہنچتے ہی مراد خان کو فون کیا۔ مراد خان ایک منجھا ہوا پراپرٹی ڈیلر تھا۔ بنگلے کی فروخت کا کام اس سے زیادہ موزوں انداز میں اور کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اپنے دوست پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔

''ہیلو وحید صاحب۔'' مراد خان نے فون اٹینڈ کیا۔

''مراد خان! میں نے مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا ہے۔'' وحید نے ٹھوس انداز میں کہا۔

مراد خان کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ ''ایک ہی رات میں......؟''

''ہاں دوست، میں نے اپنا بنگلا فروخت کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' وحید علی نے بتایا۔ ''اب یہ پروجیکٹ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ آپ جتنی جلدی میرا بنگلا بکوادیں گے، اتنی ہی جلدی یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''آپ بنگلا فروخت کردیں گے تو پھر رہیں گے کہاں؟'' مراد خان نے پوچھا۔

''آپ ہمارے لیے کوئی چھوٹا گھر یا مناسب سا فلیٹ خرید دیں گے؟'' وحید علی نے کہا۔ ''میرا خیال ہے، اس بنگلے کی فروخت سے اتنی رقم تو مل ہی جائے گی کہ قرض کے پانچ لاکھ ادا کرنے کے بعد ہم کسی معقول رہائش گاہ کو خرید سکیں؟''

''جی ہاں، آپ کا خیال درست ہے وحید صاحب۔'' مراد خان نے جلدی سے کہا۔ ''مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ آپ کو بنگلا فروخت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔''

''اب آپ افسوس وغیرہ میں وقت برباد نہ کریں خان صاحب۔'' وحید نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بس پہلی فرصت میں یہ کام کر ڈالیں۔ اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔''

آئندہ چند روز میں تمام معاملات بہ خوبی طے پاگئے۔ وحید علی کے بنگلے کی اس وقت مارکیٹ ویلیو پندرہ لاکھ کے آس پاس تھی لیکن جلدی اور افراتفری کے باعث وہ بارہ لاکھ میں فروخت ہو گیا۔ مراد خان نے بہادر آباد کے علاقے میں، پانچ لاکھ کا ایک لگژری فلیٹ وحید علی کو دلوادیا۔ آج کل ویسا فلیٹ ساٹھ ستر لاکھ بلکہ بعض پروجیکٹس میں تو ایک کروڑ سے کم کا نہیں ملتا۔ مراد خان کو پانچ لاکھ ادا کرنے کے بعد جو دو لاکھ باقی بچے تھے وہ وحید علی نے اپنے بزنس کو وسعت دینے کے لیے لگا دیے تاکہ دکان کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے۔ دکان میں ٹائروں کی تعداد اور ورائٹی بڑھی تو ظاہر ہے، اس کی سیل اور پرافٹ میں بھی نمایاں بہتری دیکھنے میں آئی اور اس کے ساتھ ہی وحید علی کی مصروفیت میں

بھی اضافہ ہوگیا۔

☆☆☆

''عمران......!'' میں نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دراز قامت دبلے پتلے نوجوان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری بیان کردہ کہانی میں تو کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مراد خان کوئی برا انسان ہے پھر وہ تم سے دشمنی کیوں کررہا ہے؟''

''اس لیے کہ میں مراد خان کی اصلیت کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''وہ بہت ہی خطرناک اور تیز دھار میٹھی چھری ہے جناب۔''

''میں سمجھا نہیں؟'' میں نے الجھن زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''سب سمجھ جائیں گے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''آپ آگے تو سنیں......''

میں ہمہ تن گوش ہوگیا۔ وہ گفتگو کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''وکیل صاحب! ہمیں بہادرآباد والے فلیٹ میں شفٹ ہوئے تین چار ماہ ہی ہوئے تھے کہ مراد خان نے ایک اور خطرناک چال چلی۔ اس دوران میں وہ مسلسل ہمارے گھر میں آمدورفت جاری رکھے ہوئے تھا۔ وہ ڈیڈی کا دوست ہے اس لیے ہم دونوں بھائی بہن اس کی عزت کرتے ہیں لیکن اب میں نے اس کا اصل اور بھیانک چہرہ دیکھ لیا ہے لہٰذا عزت واحترام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ شیطان بھی اس بات سے بہ خوبی آگاہ ہے کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہوگیا ہوں اسی لیے وہ مجھے راستے سے ہٹانے کی کوشش میں ہے۔ اس چالباز نے ڈیڈی کو مجھ سے اتنا بدگمان اور متنفر کردیا ہے کہ میں گھر چھوڑ کر اپنے چچا کے پاس رہ رہا ہوں۔''

''تم مراد خان کی کسی خطرناک چال کا ذکر کررہے تھے۔'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔ ''جو اس نے تم لوگوں کے بہادرآباد شفٹ ہونے کے بعد چلی تھی؟''

''جی، میں وہی بتانے لگا ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''مراد خان کو ڈیڈی کی یہ کمزوری خوب معلوم ہے کہ ڈیڈی اس پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ پتا نہیں اس کمینے نے کس طرح ڈیڈی کو شیشے میں اتارا کہ وہ دوسری شادی پر تیار ہوگئے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر عمران کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں وکیل صاحب۔'' وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''نہ صرف یہ کہ ڈیڈی دوسری شادی کے لیے تیار ہوگئے بلکہ مراد خان نے روبی نامی ایک عورت سے ڈیڈی کی شادی بھی کروادی۔ پچھلے چند ماہ سے روبی ہماری سوتیلی ماں کی حیثیت سے فلیٹ پر رہ رہی ہے۔ ڈیڈی کی وہ چونکہ نئی بیوی ہے اس لیے وہ روبی کے گرویدہ ہیں۔ جب ہم دونوں بہن بھائی پر سے ان کی توجہ ہٹی تو مجھے تشویش ہوئی اور میں روبی کی تفتیش میں لگ گیا اور اس تفتیش کے نتیجے میں نہایت ہی بھیانک حقائق سامنے آئے۔ وکیل صاحب، آپ سنیں گے تو حیرت زدہ رہ جائیں گے۔''

''میں ضرور سنوں گا۔'' میں نے گہری دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

وہ رازدارانہ انداز میں بولا۔ ''سر! میں یہ پتا چلانے میں کامیاب ہوگیا ہوں کہ روبی کردار کی کوئی اچھی عورت نہیں اور مراد خان کے ساتھ بھی اس کے دیرینہ مراسم ہیں۔ مراد نے ایک گہری سازش کے تحت روبی کی ڈیڈی سے شادی کروائی ہے۔ وہ منحوس شخص ڈیڈی کو بالکل تباہ و برباد کردینا چاہتا ہے اور ڈیڈی اس کی چال کو سمجھ نہیں رہے۔ وہ پوری طرح مراد خان کی مٹھی میں ہیں اور اسی کے کہنے میں آکر وہ مجھ سے بدظن ہوگئے ہیں۔ مراد خان کا ہمارے یہاں آنا مجھے بہت کھلتا ہے۔ مجھے اس شخص کی شکل ہی سے نفرت ہے۔ اس کی آمدورفت کے پیش نظر جب میں نے گھر کے معاملات میں مداخلت کی تو انہوں نے اپنے دوست کی حمایت کرتے ہوئے مجھے بری طرح جھڑک دیا۔ میں نے دکان کے معاملات میں دلچسپی لینا شروع کی تو انہوں نے مجھے وہاں سے بھی بھگا دیا۔ ڈیڈی کا خیال ہے کہ میں آوارہ لڑکوں کی صحبت میں رہتے ہوئے بگڑ گیا ہوں۔ مراد خان نے ڈیڈی کے ذہن میں یہ بات بٹھادی ہے کہ میں اپنی سوتیلی ماں روبی سے نفرت کرتا ہوں اور کوئی چکر چلا کر ان کے کاروبار پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں جبھی وہ مجھے دکان کے معاملات میں ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے۔''

''میں نے تمہاری بات پر یقین کرلیا۔ تم جیسا بیان کررہے ہو حالات بالکل ویسے رہے ہوں گے۔'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ''کیا تمہارے پاس ایسا کوئی ثبوت ہے جس سے واضح ہوسکے کہ مراد خان دوستی کی آڑ میں تمہارے ڈیڈی سے دشمنی کررہا ہے اور انہیں تباہ و برباد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟''

''کوئی تحریری یا کاغذی ثبوت تو نہیں ہے جناب۔'' وہ متاملانہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جو بھی ہے،

بس زبانی ہی زبانی ہے۔"

"مثلاً..... زبانی ہی زبانی کیا ہے؟" میں نے استفسار کیا۔

"میں نے چند روز پہلے روبی اور مراد خان کو تنہائی میں باتیں کرتے ہوئے سن لیا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اس وقت ڈیڈی گھر میں نہیں تھے۔ ان دونوں کی گفتگو بہت ہی خوف ناک تھی۔ مراد خان اپنے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے روبی کو بتا رہا تھا کہ کس طرح اس نے اپنے آدمیوں کی مدد سے لبنیٰ کو اغوا کروا کے ڈیڈی کو چونا لگایا تھا۔ اس نے ڈیڈی کو جو پانچ لاکھ دیے وہ ایک دم نقلی نوٹ تھے۔ ڈیڈی اس وقت سخت پریشان تھے لہٰذا نوٹوں کی چیکنگ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مراد خان کے نقلی پانچ لاکھ کے ساتھ ڈیڈی کے اصلی دو لاکھ بھی گئے پھر سود خور پارٹی کا ڈراما رچا کر اس نامراد نے ڈیڈی سے مزید پانچ لاکھ ہتھیا لیے۔ اس کی کمینگی یہاں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ ہمارا پندرہ سولہ لاکھ کا بنگلا بارہ لاکھ میں بکوا کر بھی اس نے اچھی خاصی کمائی کر لی ہے اور ہمیں بہادر آباد والا جو فلیٹ پانچ لاکھ میں دلوایا ہے اس میں بھی یقیناً مراد نے کچھ نہ کچھ ضرور کمایا ہوگا۔"

"اوہ..... یہ تو بہت ہی خطرناک صورتِ حال ہے۔" میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "یہ مراد خان تو بہت ہی ماسٹر مائنڈ آدمی ہے۔"

"اسے شک ہے کہ میں اس کے عزائم کو اچھی طرح بھانپ چکا ہوں۔" وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "روبی اس کی خاص بندی ہے۔ وہ نامراد، مراد خان روبی سے ڈیڈی کی شادی کروا کے اب ڈیڈی کے فلیٹ اور کاروبار پر بھی قبضہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ دولت، جائداد اور کاروبار تو گیا جہنم میں..... میں کسی اور وجہ سے بھی سخت پریشان ہوں وکیل صاحب۔"

"کسی اور وجہ سے....." میں نے الجھن زدہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "تم کس وجہ کا ذکر کر رہے ہو عمران؟"

"اس وجہ کا نام لبنیٰ ہے....." وہ بے حد جذباتی لہجے میں بولا۔ "روبی بہت ہی گندی عورت ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ میری معصوم بہن کو کسی بری راہ پر نہ ڈال دے۔ میں اپنا گھر چھوڑ کر چچا حمید علی کے پاس فیڈرل بی ایریا والے گھر میں تو چلا گیا ہوں لیکن میرا دل اور ذہن لبنیٰ میں اٹکا ہوا ہے۔"

"کیا تمہارے چچا حمید علی کو ان تمام حالات کا علم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں نے ایک ایک بات پوری تفصیل کے ساتھ انہیں بتائی ہے۔"

"پھر وہ کیا کہتے ہیں بیچ اس مسئلے کے؟"

"انہیں ڈیڈی کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔" وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"جی، میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"بھائی کو بھائی کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔" میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ "یہ عجیب سی بات نہیں ہے۔"

"اصل میں چچا حمید اور ڈیڈی میں سالہا سال سے شدید نوعیت کے اختلافات چلے آرہے ہیں۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "بات چیت اور ملنا جلنا بالکل ختم ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ مرنا جینا ختم ہے۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"چچا نے مجھے اپنے گھر میں رکھ لیا ہے اور کہا ہے۔ میں جب تک چاہوں وہاں رہ سکتا ہوں مگر وہ ڈیڈی کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے۔ میرے چچا کے یہاں آجانے سے ایک اور گڑبڑ ہوگئی ہے وکیل صاحب؟"

"کیسی گڑبڑ؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مراد خان نے ڈیڈی کو یقین دلا دیا ہے کہ میں چچا کے ساتھ مل کر ڈیڈی کے خلاف کوئی سازش تیار کر رہا ہوں۔" اس نے دانت پیستے ہوئے بتایا۔ "وہ کمینہ ایک طرف ڈیڈی کو میرے خلاف اکسا رہا ہے، دوسری جانب مجھے کرائے کے قاتلوں کے ذریعے صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کر رہا ہے اور تیسری سمت وہ روبی کی مدد سے ڈیڈی اور لبنیٰ کو شکار کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہے۔ ان باتوں سے آپ اس کی شیطانی ذہنیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں وکیل صاحب۔"

"ہاں..... مجھے بہ خوبی اندازہ ہو رہا ہے۔" میں نے گہری نظروں سے عمران کی آنکھوں میں جھانکا پھر پوچھا۔ "ان تمام تر گمبھیر اور سنگین حالات میں، میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"جناب! آپ اپنی وکالت کے زور پر کوئی ایسا چکر چلائیں کہ مراد خان اپنے مذموم عزائم سے باز آجائے اور....." وہ امید بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اور ہم سب لوگ راضی خوشی رہنے لگیں۔ ڈیڈی روبی

کو اپنی زندگی سے نکال باہر کریں تاکہ ہمارے گھر کا سکون اور چین لوٹ آئے۔"

"برخوردار......!" میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں وکیل ہوں کوئی جادوگر نہیں۔ تم نے جو کچھ بتایا ہے اسے عملاً بروئے کار لانا ممکن نہیں۔"

"جادو کے ذکر پر یاد آیا ہے کہ کہیں روبی نے ڈیڈی کو الو کا گوشت تو نہیں کھلا دیا۔" وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یا ہوسکتا ہے، مراد خان کر ڈیڈی پر کسی قسم کا سفلی وغیرہ کروا دیا ہو؟"

"قانون کی کتابوں اور عدالت کے کمرے میں جادو ٹونا اور سفلی وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں عمران میاں۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ تمہارے معاملے میں اگر کچھ ہوسکتا ہے تو وہ پولیس کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔ تم متعلقہ تھانے جاکر اپنے مسائل کی رپورٹ درج کرواؤ تو زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں وکیل صاحب۔" وہ خفگی آمیز انداز میں بولا۔ "کیا آپ اپنے ملک کی پولیس کا حال نہیں جانتے...... یہ چوروں اچکوں، جرائم پیشہ افراد اور پیسے والے طاقتور لوگوں کی مدد کرتی ہے۔ اگر میں اپنا معاملہ پولیس کے پاس لے گیا تو مراد خان بڑی آسانی سے پولیس والوں کی مٹھی گرم کر کے انہیں اپنی راہ میں ہموار کرلے گا۔" اس نے ذرا توقف کر کے مایوسی سے گردن ہلائی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"میری جیب میں تو پولیس کو دینے کے لیے سو روپے بھی نہیں ہیں اور چچا بھی اس معاملے میں میرے ساتھ ایک قدم چلنے کو تیار نہیں......"

"تمہارے چچا حمید علی کرتے کیا ہیں؟" میں نے اپنی معلومات کی غرض سے پوچھ لیا۔

"ادھر واٹر پمپ پر ان کا جنرل اسٹور ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تم اپنے چچا کو ایک آدھ روز میں میرے پاس بھیج دو۔ میں ان سے بات کرنے کے بعد کوئی لائحہ عمل بناتا ہوں۔"

"جی، میں چچا کو آپ کے پاس بھیجنے یا خود ساتھ لے کر آنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا پھر پوچھا۔ "میرا مسئلہ حل تو ہو جائے گا نا وکیل صاحب؟"

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ اس کے چہرے پر رونق ابھر آئی۔

"بہت بہت شکریہ جناب۔"

"اس دوران میں تمہیں ایک اور کام بھی کرنا ہے۔" میں نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔

وہ جلدی سے بولا۔ "آپ جو بھی کہیں گے، میں کروں گا۔"

"تم نے مجھے اپنی سوتیلی ماں روبی اور لبنیٰ کے حوالے سے جو کچھ بتایا ہے وہ خاصا تشویش ناک ہے۔ کسی وقت کوئی بھی ناخوش گوار واقعہ رونما ہوسکتا ہے۔" میں نے سمجھانے والے انداز میں گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ ادھر ادھر بھٹکنے کے بجائے تمہیں زیادہ وقت اپنے گھر پر گزارنا چاہیے۔ تم اسی گھر میں زیادہ محفوظ رہ سکتے ہو اور اپنی بہن کی بھی بھرپور انداز میں حفاظت کرسکتے ہو۔"

میری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ میری ہدایت پر من وعن عمل کرے گا۔ وہ جانے کے لیے اٹھ کر کھڑا ہوا تو میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اسے رکھ لو، اگر کوئی بھی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہوجائے تو مجھے فون کرلینا۔ کارڈ پر میرے آفس اور گھر دونوں کا فون نمبر درج ہے۔ میں تمہارے کام آنے کی اپنی سی کوشش کروں گا۔"

اس نے وزیٹنگ کارڈ کو اپنی جیب میں رکھتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا پھر مجھے سلام کر کے دفتر سے رخصت ہوگیا۔

عمران علی کی کہانی نہایت ہی سنسنی خیز اور اہمیت کی حامل تھی لیکن میں سرِدست اس معاملے میں ہاتھ ڈالنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اگر عمران کا چچا اس سلسلے میں سنجیدگی سے کھڑا ہوجاتا تو پھر ان مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی کارگر حکمتِ عملی بنائی جاسکتی تھی۔ اب سارا دارومدار عمران کے چچا حمید علی کی اس کیس میں دلچسپی پر تھا۔

☆☆☆

حمید علی مجھ سے ملنے ضرور آیا مگر ایک آدھ روز میں نہیں بلکہ ایک ہفتے کے بعد۔ وہ اکیلا ہی تھا اور بڑی سنسنی خیز خبر لے کر آیا تھا۔ میں نے فوراً حمید علی کو اپنے چیمبر میں بلالیا۔

حمید علی کی عمر پینتالیس کے اریب قریب رہی ہوگی۔ وہ متناسب البدن اور دراز قامت تھا اور اس نے گھنی ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں توقع کررہا تھا کہ عمران بھی اس کے ساتھ ہوگا مگر میری یہ توقع پوری نہیں ہوسکی تھی۔ حمید علی ان

لمحات میں خاصا بوکھلایا ہوا تھا اور پریشان نظر آتا تھا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا۔ اس سے پہلے وہ اپنا مکمل تعارف کروا چکا تھا۔

''وکیل صاحب! عمران بڑی مشکل میں پھنس گیا ہے۔ اسی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔''

''آپ کو تو کافی دن پہلے مجھ سے ملنے آنا تھا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''خیر...... یہ بتائیں، عمران کے ساتھ کیا ہو گیا ہے؟''

''پولیس نے عمران کو گرفتار کر لیا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''کس جرم میں؟''

''قتل کے الزام میں۔'' وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔

''قتل......'' میں چونک اٹھا۔ ''عمران پر کس کے قتل کا الزام ہے۔''

''آپ اندازہ لگائیں۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''آپ کو تو اس نے پوری کہانی سنا رکھی ہے۔''

''مراد خان کے قتل کے الزام میں؟''

''نہیں۔'' حمید علی نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''اپنی سوتیلی ماں روبی کے قتل کا الزام ہے اس پر۔''

''اوہ......'' میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا پھر پوچھا۔ ''یہ کب کا واقعہ ہے؟''

''کل دوپہر کا۔'' اس نے جواب دیا۔

''کل...... یعنی تین مارچ۔'' میں نے ٹیبل کیلنڈر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج چار مارچ ہے۔ اس کا مطلب ہے، آج صبح پولیس نے عمران کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ لے لیا ہوگا۔''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''وہ اس وقت عدالتی ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ہے۔''

''واقعات کی تفصیل کیا ہے؟''

''مجھے کچھ زیادہ معلوم نہیں...... مطلب یہ ہے کہ وقوعہ کے روز کیا ہوا اس بارے میں، میں زیادہ نہیں جانتا۔'' اس نے کہا۔ ''آج عمران کی گرفتاری کے بارے میں پتا چلا تو میں اس سے ملنے تھانے گیا تھا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں آپ کو اس واقعے کے بارے میں بتا دوں لہٰذا میں آپ کے پاس آ گیا ہوں۔''

''عمران کا کیا موقف ہے؟''

''وہ اس بات پر ڈٹا ہوا ہے کہ روبی کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔'' حمید علی گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ خود حوالات جا کر عمران سے ملاقات کر لیں۔''

''ٹھیک ہے، وہ تو میں کروں گا ہی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''عمران کے باپ اور آپ کے بڑے بھائی وحید علی کا اس واقعے کے حوالے سے کیا اسٹینڈ ہے؟''

''وہ عمران کی مخالفت میں کھڑا ہے۔'' وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''اور اپنی چہیتی بیوی روبی کے قاتل کو قرار واقعی سزا دلوانے کے حق میں ہے۔''

''یہ تو عجیب بات ہے۔'' میں نے کندھے اچکائے۔ ''آپ نے اپنے بھائی کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی؟''

''سمجھانے کی کوشش......'' اس کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔ ''وکیل صاحب! وحید علی اس قابل نہیں کہ میں اس کے کسی معاملے میں کودنے کے بارے میں سوچوں۔ حسینہ بیگم بہت ہی نیک خاتون تھیں۔ اس کی موت کے فوراً بعد وحید نے ایک بازاری عورت سے شادی کر کے گھر کو جائے عذاب بنا دیا تھا۔'' وہ لمحے بھر کے لیے تھما پھر نہایت ہی زہریلے انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''یہ تو اچھا ہوا، روبی مر گئی۔ اس کا زندہ رہنا لبنیٰ اور عمران کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوتا۔''

''مگر اس کی موت بھی تو عمران کے لیے انتہائی خطرناک اور پریشان کن ثابت ہو رہی ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''پولیس نے عمران کو روبی کے قتل کے الزام ہی میں تو گرفتار کیا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''مگر مجھے یقین ہے، عمران نے روبی کو قتل نہیں کیا۔ وہ ایک جذباتی نوجوان ضرور ہے مگر وہ قتل ایسا سنگین جرم نہیں کر سکتا۔ وہ بے گناہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں، عمران کو کسی گہری سازش کے تحت اس جھمیلے میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے لہٰذا آپ کی کوششیں بہ آسانی عمران کو باعزت بری کروا لیں گی۔''

اگر یہ کیس ابھی ابھی میرے پاس آیا ہوتا تو شاید حمید علی کی بات پر یقین کرنے کے لیے میں اس سے درجنوں سوال کرتا لیکن میں عمران اور اس کی فیملی ہسٹری سے پہلے ہی اچھی طرح آگاہ تھا۔ اگر عمران کو کسی کے خون میں ہاتھ رنگنا ہی ہوتے تو وہ شخص مراد خان کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ میں بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ روبی کے قتل میں عمران کو ملوث کرنا کسی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا۔ بہ قول عمران، اس سے پہلے اسے جان سے مارنے کی بھی کوشش کی گئی تھی۔ میں نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے عمران کے چچا سے کہا۔

''ٹھیک ہے حمید صاحب۔ میں یہ کیس لینے کے لیے تیار ہوں کیونکہ میں عمران کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں لیکن اس سلسلے میں آپ کو نہایت ہی اہم کردار ادا کرنا ہوگا۔''

''کیسا کردار وکیل صاحب؟'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''عمران کے ایک مضبوط حمایتی کا کردار۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اصولی طور پر یہ کردار عمران کے باپ وحید علی کا بنتا ہے مگر وہ چونکہ اپنی بیوی کے مبینہ قاتل کو عبرت ناک سزا دلوانے کے لیے کھڑا ہے اس لیے اس سے عمران کی حمایت کی توقع رکھنا فضول ہی ہوگا۔''

''آپ نے جو کچھ بیان کیا، میں اس سے سو فی صد اتفاق کرتا ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''لیکن میں کھل کر اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ یہ تو وحید علی کو شرم آنا چاہیے کہ وہ اپنی بدکردار بیوی کی خاطر اپنے بیٹے سے دشمنی کررہا ہے۔''

''اسے شرم نہیں آرہی نا........ اور اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے۔'' میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''مراد خان اور روبی نے اپنے مختلف ہتھکنڈوں کی مدد سے وحید کو عمران کی طرف سے بری طرح بدظن اور متنفر کررکھا ہے۔ اس موقع پر آپ سے زیادہ اور کوئی عمران کا خیرخواہ نہیں ہوسکتا۔''

''میں عمران کی خیرخواہی کے لیے تیار ہوں وکیل صاحب۔'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''اس کیس پر جو بھی اخراجات آئیں گے وہ میں دوں گا۔ میں آپ کی فیس اور ہر قسم کے عدالتی اخراجات اٹھاؤں گا مگر کھل کر سامنے کھڑا نہیں ہوں گا۔ یہ معاملہ آپ کو خود ہی حل کرنا ہوگا۔''

''ہوجائے گا یہ معاملہ بھی حل۔'' میں نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ ''میں آج رات کسی وقت حوالات جاکر عمران سے ملاقات کرلوں گا۔ آپ کل اسی وقت میرے پاس آجائیں پھر فیس اور دیگر مالی معاملات طے کرلیں گے۔''

''آپ کے ذہن میں کیا آئیڈیا ہے؟'' اس نے استفسار کیا۔

''بس...... آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں عمران سے مل کر پہلے یہ جان لوں کہ وقوعہ کے روز فلیٹ پر کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس کے بعد ہی کوئی حکمتِ عملی ترتیب دوں گا۔'' میں نے حمید علی کے سوال کے جواب میں کہا۔ ''عمران کی عمر بلوغت کو عبور کرچکی ہے۔ وہ اپنا مقدمہ خود بھی لڑسکتا ہے۔ بس، اس سلسلے میں جہاں جہاں رقم خرچ کرنے کا وقت آئے گا، وہ زحمت آپ کو کرنا ہوگی۔''

''مجھے منظور ہے۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا پھر پوچھا۔ ''وکیل صاحب! آپ کی فیس کتنی ہوگی؟''

میں نے اسے اپنی فیس کے بارے میں بتادیا۔ اس نے مجھے خدا حافظ کہا اور کل دوبارہ آنے کا وعدہ کرکے رخصت ہوگیا۔

اسی روز دفتر سے فارغ ہونے کے بعد میں نے متعلقہ تھانے جاکر عمران سے ایک بھرپور اور تفصیلی ملاقات کی۔ اس بات کا تو مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ وہ روبی کے قتل میں ملوث نہیں ہوگا۔ بہرحال، اس کی زبانی پتا چلنے والے حالات و واقعات کی روشنی میں میرا اندازہ یقین میں بدل گیا۔ عمران کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قتل کے اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی تھی۔ عمران سے ہونے والی اہم باتوں کا ذکر آگے چل کر عدالتی کارروائی کے دوران میں آئے گا۔

میں نے عمران کو تسلی دلاسا دیتے ہوئے پولیس والوں کے تفتیشی ہتھکنڈوں سے محفوظ رہنے کے طریقے بتائے۔ وکالت نامے، درخواستِ ضمانت اور دیگر اہم قانونی کاغذات پر اس کے دستخط لینے کے بعد میں نے اس سے عدالت میں ملنے کا وعدہ کیا اور تھانے سے نکل آیا۔

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے اس کیس کا چالان عدالت میں پیش کردیا۔ اسی روز میں نے اپنے مؤکل کی درخواستِ ضمانت اور اپنا وکالت نامہ بھی دائر کردیا تھا لیکن مجھے یہ بتانے میں کوئی باک نہیں کہ میں عمران کی ضمانت کروانے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ یہ بات پہلے بھی کئی بار وضاحت کے ساتھ بیان کی جاچکی ہے کہ قتل کے ملزم کی ضمانت ناممکن حد تک مشکل ہوتی ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل میں استغاثہ کی رپورٹ اور پوسٹ مارٹم رپورٹ کا ذکر کرنا نہایت ہی ضروری سمجھتا ہوں۔ میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم عمران علی کو عدالت نے جوڈیشل ریمانڈ پر عدالت سے سیدھا جیل بھجوا دیا تھا۔ اگلی پیشی پندرہ روز بعد کی تھی۔ مختلف نوعیت کی تحقیق اور تفتیش کے لیے میری نظر میں یہ پندرہ دن کافی تھے۔ حمید علی کھل کر اس کیس میں کوئی کردار ادا نہیں کررہا تھا تاہم اس کی مالی، اخلاقی اور جسمانی ہر قسم کا تعاون مجھے حاصل

تھا۔ اس کی مدد اور تعاون ہی سے میں اس کیس سے متعلق نہایت ہی اہم پوائنٹس تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ ان تمام باتوں کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب مقامات پر کیا جائے گا۔

واقعات کے مطابق، تین مارچ کی دوپہر وحید علی کی بیوی روبی اپنی خواب گاہ میں مردہ پائی گئی تھی۔ مذکورہ دن لبنیٰ جب اسکول سے گھر آئی تو گھر کے اندر طاری سناٹے سے اسے عجیب سا محسوس ہوا۔ ان دنوں اس کے ...... امتحانات چل رہے تھے۔ جب وہ ..... واپس آتی تھی تو اس کی سوتیلی ماں روبی گھر کے اندر موجود ہوتی تھی اور وہی لبنیٰ کے لیے فلیٹ کا دروازہ کھولا کرتی تھی لیکن آج اسے داخلی دروازہ کھلا ملا تو وہ چونک اٹھی پھر فلیٹ کی اندرونی خاموشی نے اسے روبی کی خواب گاہ کی سمت قدم بڑھانے پر مجبور کر دیا اور اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ روبی کے بے ترتیب بدن پر پڑی تو وہ ششدر رہ گئی۔

روبی کا لباس جابہ جا پھٹا ہوا تھا اور وہ بڑے بے ڈھنگے انداز میں اپنے بستر پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ اس افراتفری شدہ حالت میں روبی کو جامد و ساکت پڑے دیکھ کر لبنیٰ کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ اس کی سوتیلی ماں اس دارِ فانی سے کوچ کر چکی ہے۔

اس نے فوری طور پر اپنے باپ کو فون کیا اور نہایت ہی وحشت زدہ انداز میں وحید علی کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وحید علی اپنے فلیٹ پر تھا۔ اس کے بعد ہی پولیس کو اس اندوہناک واقعے کی اطلاع دی گئی تھی۔ کچھ ہی دیر کے بعد پولیس موقع پر پہنچ گئی اور اسی روز لگ بھگ سات بجے شام پولیس نے عمران علی کو اپنی سوتیلی ماں کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا۔

واقعاتی شہادتوں کے مطابق، جائے وقوعہ یعنی مقتول کے بیڈروم میں اچھی خاصی افراتفری کے آثار پائے گئے تھے...... استغاثہ کے مطابق، ملزم عمران اپنی سوتیلی ماں روبی سے سخت نفرت کرتا تھا لہٰذا وقوعہ کے روز اس نے مقتول کی عصمت کو تار تار کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن مقتول کی جان دار مزاحمت نے ملزم کے منصوبے کی ایسی کم تیسی پھیر دی۔ اسی مزاحمت اور چھینا جھپٹی کے دوران میں مقتول کا لباس جگہ جگہ سے پھٹتا چلا گیا۔ جب ملزم کو یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنے شیطانی مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو اس نے اپنے شکار کا گلا گھونٹ کر اسے موت کی نیند سلا دیا اور چپکے سے فلیٹ سے نکل گیا۔ اگر مقتول روبی ملزم کے ہولناک منصوبے کے سامنے زیر ہو کر مزاحمت ترک کر دیتی تو پھر شاید ملزم اس کی جان لینے کی کوشش نہ کرتا۔ اس کے جذبۂ انتقام کو قرار آ جاتا لیکن مقتول نے اس کی مذموم کوشش کو بری طرح ناکام بنا کر اسے ایک ہیجان، ایک جنون میں مبتلا کر دیا تھا۔ اسی وحشیانہ کیفیت میں اس نے مقتول کا گلا دبا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق، مقتول روبی کی موت دم گھٹنے کے سبب واقع ہوئی تھی۔ موت کا وقت بارہ اور دو بجے کے درمیان کا تھا مقتول کی گردن کو قاتل کے مضبوط ہاتھوں نے اتنی شدت اور قوت سے دبایا تھا کہ اس کی سانس کی آمد و شد کا سلسلہ منقطع ہو کر رہ گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی حلقوں سے باہر ابل پڑی تھیں جیسا کہ پھانسی لگنے والے یا لٹک کر خودکشی کرنے والے شخص کی آنکھیں باہر نکل آتی ہیں۔ مقتول کے نازک بدن پر نوچنے اور کھسوٹنے کے نشانات بھی پائے گئے تھے۔ اسی رپورٹ کی ایک لائن میرے مؤکل کے حق میں جاتی تھی اور وہ یہ کہ اس حملے کے دوران میں مقتول کے ساتھ مجرمانہ زیادتی نہیں کی گئی تھی۔ اس کی عصمت داغ دار نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فردِ جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحتِ جرم سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ملزم کا بیان ریکارڈ کیا گیا پھر وکیل استغاثہ جج کی اجازت کے بعد اکیوزڈ باکس (ملزموں والے کٹہرے) کے نزدیک پہنچا اور ملزم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جرح شروع کر دی۔

"کیا یہ درست ہے کہ تم اپنی سوتیلی ماں یعنی مقتول سے شدید نفرت کرتے تھے؟"

"اس کے جو کرتوت تھے ان کی روشنی میں اس سے محبت کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔" ملزم نے تلخی بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "وہ عورت ہم دونوں بھائی بہن پر کسی دردناک عذاب کے مانند نازل ہوئی تھی۔"

"کیا تمہاری بہن لبنیٰ بھی مقتول سے اتنی ہی نفرت کرتی تھی؟"

"اتنی اور جتنی یا کتنی کا تو مجھے پتا نہیں۔" وہ خفگی آمیز انداز میں بولا۔ "ہاں، یہ جانتا ہوں کہ اس عورت کے ظالمانہ سلوک کی بدولت لبنیٰ بھی اسے سخت ناپسند کرتی تھی۔"

وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ وقوعہ سے ایک روز قبل رات کے

وقت تمہارا مقتول کے ساتھ شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا تھا؟''
''ہاں، یہ سچ ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔'' ملزم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ کون سا دن اور کون سی رات تھی جب ہمارے گھر میں بدامنی اور بدمزگی کی فضا قائم نہیں ہوتی تھی۔''
''میں وقوعہ سے ایک روز پہلے والے جھگڑے کی بات کر رہا ہوں۔'' وکیلِ استغاثہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''جب تم نے مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی اور اس پر ہاتھ اٹھانے کی بھی کوشش کی تھی لیکن خوش قسمتی سے اس وقت تمہارا باپ گھر میں موجود تھا اور اس نے بیچ میں پڑ کر یہ معاملہ رفع دفع کروا دیا تھا؟''
''جی ہاں۔'' ملزم نے ایک بار پھر اثبات میں گردن ہلائی۔ ''ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا اور میں بتا چکا ہوں کہ اس تمام تر فساد کی جڑ وہی فتنہ پرور عورت تھی جو بدقسمتی سے میری سوتیلی ماں بن کر ہمارے گھر میں آئی تھی۔''
''چنانچہ تم نے پودا بننے سے پہلے ہی فساد کی اس جڑ کو تلف کر دیا؟''
''روبی کے قتل سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔'' ملزم نے احتجاجی انداز میں کہا۔ ''مجھے خوانخواہ اس دلدل میں پھینک دیا گیا ہے۔''
''تم یہ تو تسلیم کرتے ہو نا کہ...... وقوعہ سے ایک روز قبل تم نے مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی؟'' وکیل استغاثہ نے تیکھے انداز میں سوال کیا۔
''ہاں...... وہ میرا وقتی اشتعال تھا۔'' ملزم صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔
''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی۔'' وکیلِ استغاثہ نے یہ کہتے ہوئے جرح کا سلسلہ موقوف کر دیا۔
وکیلِ استغاثہ نے ملزم کو فارغ کیا تو میں سوالات کے لیے اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے نہایت ہی نرم لہجے میں دریافت کیا۔
''وقوعہ کے وقت تم کہاں تھے...... میرا مطلب ہے، دوپہر بارہ اور دو بجے کے درمیان؟''
''میں گھر میں نہیں تھا۔'' اس نے جواب دیا۔
''یہی تو عدالت جاننا چاہتی ہے کہ جب تمہاری سوتیلی ماں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، تم اس وقت کہاں تھے؟''
''میں اپنے دوستوں کے ساتھ تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''محمود آباد میں۔''

''وقوعہ کے روز تم اپنے گھر سے کتنے بجے نکلے تھے؟''
''لگ بھگ گیارہ بجے صبح۔''
''اور واپسی کتنے بجے ہوئی تھی؟'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے استفسار کیا۔
اس نے جواب دیا۔ ''شام سات بجے۔''
''یعنی تم اس روز صبح گیارہ بجے سے شام سات بجے تک اپنے گھر کے اندر موجود نہیں تھے؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اور دوپہر بارہ بجے سے دو بجے تک تم اپنے دوستوں کے ساتھ محمود آباد میں تھے؟''
''جی ہاں، یہی حقیقت ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''ویسے تو میں یہ سارا وقت اپنے انہی دوستوں کے ساتھ رہا تھا لیکن چونکہ آپ نے خاص طور پر دوپہر بارہ بجے سے دو بجے تک کا ذکر کیا ہے اس لیے میں نے تصدیق کر دی کہ میں ان اوقات میں اپنے دوستوں کے ساتھ محمود آباد میں تھا۔''
''تم نے تو تصدیق کر دی۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تمہارے وہ دوست بھی اپنے ساتھ تمہاری موجودگی کی تصدیق کر سکتے ہیں؟''
''کیوں نہیں جناب...... ضرور۔'' وہ بڑے یقین کے ساتھ بولا۔
''کیا تم اپنے ان دوستوں کے نام بتاؤ گے؟''
''عارف اور وسیم۔'' اس نے جواب دیا۔
''کیا عارف اور وسیم محمود آباد ہی کے رہنے والے ہیں؟''
اس نے اثبات میں گردن ہلائی، میں نے پوچھا۔
''اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کیا عارف اور وسیم تمہارے حق میں گواہی دینے عدالت تک آسکیں گے؟''
''بالکل آئیں گے جناب۔'' وہ پُراعتماد انداز میں بولا۔ ''جو سچ ہے، وہ سچ ہے اور سچ کا ساتھ دینے کے لیے ہر کسی کو تیار رہنا چاہیے۔''
''مگر ہر کوئی تیار نہیں رہتا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''جب تم وقوعہ کے روز دوپہر بارہ اور دو بجے کے درمیان جائے وقوعہ سے سات آٹھ کلو میٹر دور محمود آباد میں عارف اور وسیم کے ساتھ موجود تھے تو پھر استغاثہ کو اس بات پر اصرار کیوں ہے کہ انہی اوقات میں تم نے اپنی سوتیلی ماں کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا ہے؟''
اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور کہا۔ ''جناب! یہ سوال تو آپ کو استغاثہ سے کرنا چاہیے۔''

''ویل سیڈ۔'' میں نے زیرِلب مسکراتے ہوئے کہا۔''وقت آنے پر یہ سوال استغاثہ سے ضرور کیا جائے گا۔'' وہ خاموش نظروں سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے پوچھا۔''تم نے ابھی بتایا کہ وقوعہ کے روز تمہاری واپسی شام سات بجے ہوئی تھی۔ کیا تم روزانہ شام سات بجے ہی واپس لوٹا کرتے تھے؟''

''میری واپسی کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا جناب۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔''گھر میں موجود ٹینشن کی وجہ سے میرا زیادہ وقت گھر سے باہر ہی گزرتا تھا۔ عموماً رات دس کے بعد ہی میری واپسی ہوا کرتی تھی۔''

''پھر وقوعہ کے روز شام سات بجے واپسی کیوں ہوئی؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔''اس کا کوئی خاص سبب تھا؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

میں نے پوچھا۔''ایسا کیا خاص سبب تھا؟''

''دراصل، ہم دوستوں میں اس روز ایک سنیما میں فلم دیکھنے کا پروگرام بن گیا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''اور ہم نے رات کا کھانا بھی باہر ہوٹل ہی میں کھانا تھا۔ اس کھانے اور فلم دیکھنے کے ٹکٹ وغیرہ کے اخراجات میرے ذمے آ گئے تھے مگر اتفاق سے اس روز میں اپنا بٹوا گھر بھول گیا تھا۔ پچھلی رات مقتول کے ساتھ جو بدمزگی ہوئی تھی اس نے میرے حواس پر برے اثرات مرتب کیے تھے بہرحال......'' اس نے تھوڑا توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنے بیان کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''جب میں نے عارف اور وسیم کو بتایا کہ میں انہیں کھانا کھلانے اور فلم دکھانے کے لیے تو تیار ہوں مگر میرا بٹوا گھر پر رہ گیا ہے تو انہوں نے اسے میری کوئی چال سمجھا اور اس امر پر زور دیا کہ میں گھر سے بٹوا لے کر آؤں۔ ہم نے سنیما کا آخری شو دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا اور شو شروع ہونے میں ابھی اچھا خاصا وقت باقی تھا لہٰذا میں شام سات بجے اپنا بٹوا لینے گھر آیا تھا۔''

''بہت خوب۔'' میں نے ذومعنی انداز میں کہا اور پوچھا۔''اس رات آپ تینوں دوستوں نے کس پکچر ہاؤس میں کون سی فلم دیکھی تھی؟''

''آپ بھی کمال کرتے ہیں جناب......'' وہ حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''کیوں؟'' میں نے بھی جواباً حیرت کا اظہار کیا۔ ''اس میں کمال والی کون سی بات ہے؟''

''جناب! اس رات فلم دیکھنے کی تو نوبت ہی نہیں آئی تھی۔'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔''میں نے جیسے ہی بلڈنگ میں قدم رکھا، دو پولیس والوں نے مجھے گھیر لیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ وہ وہاں کافی دیر سے گھات لگائے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے فوراً گرفتار کر لیا۔''

''تم نے وکیلِ استغاثہ کے سوالات کے جواب میں تسلیم کیا ہے کہ وقوعہ سے ایک روز پہلے، رات میں تمہارا مقتول یعنی سوتیلی ماں روبی سے شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا تھا۔'' میں نے سوالات کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔ ''معزز عدالت جاننا چاہتی ہے کہ اس جھگڑے کی بنیادی وجہ کیا تھی؟''

''روبی کا کردار۔'' وہ نفرت انگیز انداز میں بولا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے اس عورت کے کردار پر شک تھا بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے اس کے بدکردار ہونے کا یقین تھا تو یہ غلط نہیں ہوگا۔'' وہ خاصے جوشیلے اور کٹیلے انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''وہ ڈیڈی سے بے وفائی کی مرتکب ہو رہی تھی۔ وہ ڈیڈی کے ایک بااعتماد دوست مگر میری نظر میں ایک فراڈ شخص مراد خان کے ساتھ غلط قسم کے تعلقات رکھتی تھی۔ مراد خان کا ہمارے گھر میں آنا جانا تھا۔ ڈیڈی مراد خان پر اندھا بھروسا کرتے تھے۔ روبی سے ڈیڈی کی شادی بھی اسی نامراد، مراد خان نے کروائی تھی۔ وہ پہلے بھی دوستی کی آڑ میں ڈیڈی کو بے تحاشا مالی نقصان پہنچا چکا تھا لیکن ڈیڈی کی زبان پر اسی شخص کا کلمہ رہتا تھا۔ وہ روبی سے شادی کے بعد ہم دونوں بہن بھائی کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ڈیڈی کی غیر موجودگی میں روبی اور مراد خان کو نازیبا اور مخرب اخلاق حرکتیں کرتے دیکھا تھا......'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر بیان کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''جناب! وقوعہ سے ایک روز پہلے میں روبی کی انہی بے حیائی کی حرکتوں پر اسے لعن طعن کر رہا تھا کہ معاملہ بڑھ گیا۔ ہمارے درمیان جھگڑا اتنی شدت اختیار کر گیا کہ ڈیڈی کو بیچ ... بچاؤ کرنا پڑا تھا۔ میں نے طیش کے عالم میں یہاں تک بھی کہہ دیا کہ اگر وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئی تو میں اس کی جان بھی لے سکتا ہوں لیکن میری دھمکی وقتی ابال کا نتیجہ تھی۔ اس کا حقیقت سے یا میرے ارادے سے کوئی

تعلق نہیں تھا۔"
ان سوالات کے نتیجے میں، میں نے ابتدائی طور پر عدالت کے سامنے مقتول روبی کا کردار رجسٹر کروادیا تھا۔ مزید مرادخان کی انٹری بھی ڈال دی گئی تھی۔ یہ ایک طرح سے گملے کی نرم مٹی میں کوئی بیج دبانا تھا۔ آئندہ پیشیوں پر میں نے ان دونوں بیجوں کی آبیاری کر کے انہیں سطح زمین سے باہر لانے کی کوشش کرسکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جب یہ دونوں پودے عدالت اور انصاف کی نظروں میں آتے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجانا تھا۔

مزید چند سوالات کے بعد میں نے جرح ختم کردی۔
اگلی گواہی ملزم کی بہن لبنیٰ کی تھی۔ لبنیٰ لگ بھگ سولہ سال کی ایک گول مٹول اور گوری چٹی لڑکی تھی۔ اس کے گال کھلونا گڑیاؤں کی طرح پھولے ہوئے تھے۔ دیکھنے میں وہ خاموش طبع اور کم گو نظر آتی تھی۔ اس نے اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کروادیا تو وکیلِ استغاثہ اس کے پاس چلا گیا۔
"لبنیٰ جی۔" اس نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ بات درست ہے کہ تمہارا بھائی عمران مقتول روبی سے شدید نفرت کرتا تھا؟"
اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔
"اور تم بھی مقتول کو سخت ناپسند کرتی تھیں؟"
"جی۔" لبنیٰ نے نہایت ہی مختصر جواب دیا۔
"کیا یہ بھی سچ ہے کہ عمران کا اکثر و بیشتر مقتول روبی کے ساتھ جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔" وکیلِ استغاثہ نے گواہ کو اپنی مرضی کے مطابق گھسنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔ اور وقوعہ سے ایک روز قبل تو اتنی شدت کا جھگڑا ہوا تھا کہ عمران نے اپنی سوتیلی ماں کو جان سے مارنے کی دھمکی بھی دے ڈالی تھی؟"
"جی ایسا ہی ہوا تھا۔" لبنیٰ نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔
"تمہارے ڈیڈی کا مقتول کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟"
"بالکل نارمل۔"
"اور مقتول کا تمہارے ڈیڈی کے ساتھ کیسا سلوک تھا؟"
"بالکل ٹھیک تھا۔"
"یعنی تمہارے ڈیڈی اور تمہاری سوتیلی ماں روبی کے درمیان کسی نوعیت کا تنازع نہیں تھا۔" وکیلِ استغاثہ نے چالاکی سے پوچھا۔ "وہ دونوں امن وسکون سے ازدواجی زندگی گزار رہے تھے؟"
"جی ہاں۔"
"اور ان دونوں کو گھر میں کسی مرادخان کی آمدورفت پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا؟" وکیلِ استغاثہ نے ہوشیاری سے سوال کیا۔
"جی...... نہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔" لبنیٰ نے جواب دیا۔
وکیل استغاثہ نے فاتحانہ انداز میں جج کی طرف دیکھا اور جرح کا سلسلہ ختم کردیا۔ میں اپنی باری پر وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا اور گواہوں والے کٹہرے میں کھڑی لبنیٰ سے پوچھا۔
"جن دنوں تمہارے گھر میں یہ افسوس ناک واقعہ پیش آیا، تمہارے میٹرک کے امتحانات چل رہے تھے۔ سارے پرچے تو گڑبڑ ہوگئے ہوں گے؟"
"جی ...صرف پرچے ہی نہیں، زندگی کا ہر معاملہ گڑبڑ ہوگیا تھا۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں بتایا۔ "میں جبھی سے بہت ڈسٹرب ہوں۔"
"ٹھیک ہے، بیٹی! میں تمہاری ذہنی کیفیت کو سمجھ سکتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "لیکن یہ سوالات بھی ضروری ہیں۔"
"جی...... میں سمجھ سکتی ہوں۔" وہ میری بات کی تہ تک رسائی حاصل کرتے ہوئے بولی۔ "آپ پوچھیں، کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"
میں نے پوچھا۔ "تم روزانہ اسکول کے لیے کتنے بجے گھر سے نکلتی تھیں؟"
"پونے آٹھ بجے......" اس نے بتایا۔
"اور تمہاری واپسی کب ہوتی تھی؟" میں نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے، تم اپنے گھر کتنے بجے پہنچ جاتی تھیں؟"
"کم وبیش دو بجے دوپہر۔" اس نے جواب دیا۔
"کیا وقوعہ کے روز بھی تم دو بجے ہی گھر پہنچی تھیں؟"
"نہیں......" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "ان دنوں پیپرز ہو رہے تھے جس کی وجہ سے جلدی چھٹی ہوجاتی تھی۔ اس روز میں ایک بجے دوپہر گھر آگئی تھی۔"
"جب تم گھر پہنچیں تو تمہاری سوتیلی ماں اپنے بیڈروم میں مردہ پڑی تھی۔" میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق، مقتول روبی کی موت دوپہر بارہ بجے سے لے کر دو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ تمہارے بیان کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ مقتول کو بارہ اور ایک بجے کے بیچ کسی وقت موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا کیونکہ اس روز جب تم ایک بجے دوپہر گھر پہنچیں تو تمہاری سوتیلی ماں زندگی

کی بازی ہار چکی تھی......!''

لبنیٰ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ خاموش نظر سے مجھے تکتی چلی گئی۔

میں نے پوچھا۔ ''وقوعہ کے روز جب تم صبح اسکول جا رہی تھیں تو اس وقت گھر میں کون کون موجود تھا؟''

''ابو تھے...... امی تھیں...... اور عمران تھا......'' اس نے جواب دیا۔

''امی...... مطلب، مقتول روبی؟'' میں نے پوچھا۔

''جی وہی......'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''ابو کے رشتے کے حوالے سے میں انہیں امی ہی کہا کرتی تھی۔''

''کیا عمران بھی مقتول کو امی ہی کہا کرتا تھا؟''

''نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''وہ ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ میں اس عورت کی حقیقت سے واقف ہو چکا ہوں لہٰذا اسے امی کہنا خود کو گالی دینے کے مترادف ہے۔''

''وقوعہ کے روز جب تم اسکول کے لیے گھر سے نکلیں تو اس وقت عمران کیا کر رہا تھا؟'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اس وقت سو رہا تھا۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''کیا یہ درست ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تمہیں اغوا کر لیا گیا تھا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''اس وقت تمہاری سگی ماں زندہ تھیں؟''

''جی یہ درست ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اور پھر اغوا کار کو مبلغ سات لاکھ روپے دے کر تمہیں رہا کرایا گیا تھا؟''

''جی بالکل، ایسا ہی ہوا تھا۔''

''تمہارے والد کے پاس اتنی بڑی رقم موجود نہیں تھی، اور نہ ہی وہ اغوا کار کے دیے ہوئے وقت کے اندر یہ رقم ارینج کر سکتے تھے لہٰذا اس موقع پر ان کے ایک دوست مراد خان نے ان کی مدد کی تھی۔''

''جی۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''دو لاکھ ابو نے اور پانچ لاکھ مراد انکل نے ملائے تھے اور مجھے اغوا کار سے چھڑایا گیا تھا۔''

''کیا یہ وہی مراد خان ہے جس نے آپ کی امی حسینہ بیگم کے انتقال کے فوراً بعد مقتول سے آپ کے باپ کی شادی کرائی تھی؟''

''جی...... وہی مراد خان۔'' اس نے بتایا۔

''کیا مراد خان روبی اور آپ کے والد کی شادی سے پہلے بھی آپ کے گھر آیا کرتا تھا؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''جی نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''پہلی مرتبہ میں نے مراد خان کو اپنے گھر میں اس وقت دیکھا جب میں اغوا کار کے چنگل سے نکل کر گھر واپس آئی تھی۔ جبھی مجھے پتا چلا تھا کہ مراد نے میری رہائی کے سلسلے میں ایک بڑی رقم ابو کو دی تھی۔'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ ''اس سے پہلے میں نے صرف مراد خان کا نام سنا تھا اور یہ پتا تھا کہ وہ ابو کا دوست ہے۔''

''پھر جب تمہاری امی کے انتقال کے بعد تمہارے ابو اور مقتول کی شادی ہوگئی تو یہی مراد خان اکثر و بیشتر آپ کے گھر آنے لگا تھا؟''
''جی..... ایسا ہی تھا۔''
''اور عمران کو اس شخص پر گہرا شک تھا؟''
''جی .....'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔
''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جنابِ عالی۔'' میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مزید جرح ملزم عمران پر ہوگی۔''
لبنیٰ عدالت کے کمرے سے باہر گئی تو میں اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم عمران کی جانب متوجہ ہوگیا۔ عمران سے پہلے بھی میری دو تین ملاقاتیں ہوچکی تھیں تاہم اس وقت وہ ایک آزاد شہری تھا۔
''تمہاری بہن نے ابھی معزز عدالت کو بتایا ہے کہ تمہیں مراد خان پر گہرا شک تھا۔'' میں نے ملزم کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''ذرا اپنے شک کی وضاحت تو کرو .....''
''اس شخص پر مجھے کئی حوالوں سے شک تھا . . . شک نہیں بلکہ یقین تھا کہ یہ شیطان میرے ابو کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا تھا۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''روبی سے ابو کی شادی تو بہت بعد کی بات ہے۔ مراد کا گھناؤنا منصوبہ تو اسی وقت شروع ہوگیا تھا جب لبنیٰ کو اغوا کیا گیا تھا۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا . . . ؟'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔
یہ تمام معاملات عمران کی زبانی پہلے ہی مجھ تک پہنچ چکے تھے لیکن عدالت کے ریکارڈ پر لانا ضروری تھا اس لیے میں ایک مخصوص انداز میں جرح کر رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں عمران نے بڑے اعتماد سے بتایا۔
''مجھے یقین ہے کہ ابو کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے کا آغاز لبنیٰ کے اغوا سے ہوا تھا۔ مراد خان نے بڑی چالاکی سے پہلے لبنیٰ کو اغوا کرایا پھر ابو کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے پانچ لاکھ روپے کے نقلی نوٹ مہیا کیے۔''
''تم یہ بات اتنے وثوق سے کس طرح کہہ سکتے ہو کہ پانچ لاکھ کے وہ نوٹ جو مراد خان نے تمہارے والد کو دیے وہ نقلی تھے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''اور یہ کہ لبنیٰ کو مراد ہی نے اغوا کرایا تھا.....؟''
''ثبوت.....'' وہ برا سامنہ بناتے ہوئے بولا۔ ''میں یہ بات اتنے وثوق سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے خود اپنے کانوں سے یہ زہریلا سچ سنا تھا اور اسی دن سے مراد خان میرا دشمن ہوگیا تھا۔''
''کیا مطلب؟'' میں نے انجان بننے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔
''روبی سے ابو کی شادی کے بعد مراد خان نے اکثر و بیشتر ہمارے گھر آنا شروع کردیا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اور یہ کمینہ شخص ابو کی غیر موجودگی میں بھی ہمارے گھر آجایا کرتا تھا اور..... روبی سے گپ شپ کر کے واپس چلا جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر میں نے ان دونوں کی گفتگو سن لی تھی جب وہ روبی کو بتا رہا تھا کہ اس نے کس طرح خود ہی لبنیٰ کو اغوا کرایا اور پھر نقلی نوٹوں سے ابو کو بے وقوف بنایا۔ بعد میں سود کی بھاری رقم کا ناٹک کر کے اسی شیطان نے ہمارا بنگلا اونے پونے بکوا دیا اور ہم بہادر آباد کے اس فلیٹ میں آگئے۔ اس شیطان نے اس پر بھی بس نہیں کی اور روبی سے ابو کی شادی کرادی۔ میری تحقیق کے مطابق، روبی ایک بدکردار عورت تھی اور مراد خان نے ایک گہری سازش کے تحت ابو سے اس کی شادی کرائی تھی۔ میں چونکہ اس کے شیطانی منصوبے کو بھانپ گیا تھا اس لیے وہ میرا دشمن ہوگیا تھا۔ اس نے کرائے کے غنڈوں سے مجھے قتل کرانے کی کوشش بھی کی لیکن میری خوش قسمتی کہ میں بچ گیا ورنہ اس نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی.....''
''اوہ.....'' میں نے ایک مصنوعی جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو بہت ہی خطرناک شخص ہے.....'' پھر میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کیا۔
''جنابِ عالی! معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ مراد خان نامی اس شخص کو عدالت میں پیش کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ میں اس بندے سے چند اہم سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''
جج نے گہری سنجیدگی سے مجھے دیکھا اور اثبات میں گردن ہلادی۔
اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہوگیا۔

☆☆☆

آئندہ پیشی پر مراد خان عدالت میں حاضر نہیں ہوا۔ اس کی طرف سے بیماری کا سرٹیفکیٹ داخل کردیا گیا تھا۔ اس پیشی پر میں نے ملزم عمران کے دونوں دوستوں کو ارینج کر رکھا تھا لہٰذا جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد میں نے عارف اینڈ وسیم محمود آبادی کو گواہی کے لیے کمرے میں

بلالیا۔ وہ دونوں صفائی کے گواہوں کی حیثیت سے میری جانب سے عدالت میں پیش ہوئے تھے۔

عارف اور وسیم کے بیانات میں ایسی سنسنی خیزی نہیں تھی کہ میں ان پر ہونے والی جرح کو لفظ بہ لفظ یہاں تحریر کروں تاہم ان کے بیانات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم تھی۔ وہ دونوں اس امر کے مضبوط گواہ تھے کہ وقوعہ کے روز یعنی تین مارچ کو ملزم عمران علی نے دوپہر ساڑھے گیارہ بجے سے شام سات بجے تک کا وقت ان کی معیت میں گزارا تھا اور اس دوران میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا جبکہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق، مقتول روبی کو وقوعہ کے روز دوپہر بارہ بجے سے دو بجے کے دوران میں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ ملزم کی چھوٹی بہن لبنیٰ کا بیان اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ جب وہ لگ بھگ ایک بجے گھر پہنچی تو مقتول روبی اس دارِ فانی سے کوچ کر چکی تھی۔ ان حقائق کی روشنی میں میرا مؤکل اور اس مقدمے کا ملزم عمران علی بے گناہ نظر آتا تھا لیکن ابھی اس کی بے گناہی کو عدالت کی نظر میں ثابت کرنے اور اس کی باعزت رہائی کو یقینی بنانے کے لیے مجھے ایک دو مزید زاویوں پر طبع آزمائی کرنا تھی لہٰذا میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یور آنر...... میں اس کیس کے تفتیشی افسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

کسی بھی کیس کا انکوائری آفیسر ہر پیشی پر عدالت میں موجود ہوتا ہے اور اس کی حیثیت استغاثہ کے گواہ ایسی ہوتی ہے۔ میری فرمائش پر جج کی اجازت سے آئی او وٹنس باکس میں آکر کھڑا ہو گیا۔ عہدے کے اعتبار سے وہ ایک سب انسپکٹر تھا جو اپنے ڈیل ڈول اور جثے کے مطابق ایک سست الوجود شخص نظر آتا تھا۔

''آئی او صاحب!'' میں نے ڈھیلے ڈھالے تفتیشی افسر کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے سوالات کا آغاز کیا۔''آپ کو اس واقعے کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟''

اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور اپنے ہیوی ڈیوٹی وجود کے برعکس نہایت ہی مہین اور مسکین سی آواز میں جواب دیا۔

''لگ بھگ دو، سوا دو بجے ہمیں اس واقعے کی اطلاع دی گئی تھی اور فون مقتول کے شوہر وحید علی نے کیا تھا۔''

یہ بات عدالت کے علم میں آچکی تھی کہ لبنیٰ نے اسکول سے گھر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے روبی کی لاش کو دیکھا تھا اور فوراً اس واقعے کی اطلاع اپنے والد کو دی تھی جو تھوڑی ہی دیر میں گھر پہنچ گیا تھا، اس کے بعد ہی پولیس کو فون کیا گیا تھا۔

''آپ نے جائے وقوعہ کا نقشہ خاصی تفصیل سے تیار کیا تھا لیکن حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ جائے واردات کے کسی بھی حصے سے ملزم کے فنگر پرنٹس اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی......'' میں نے قدرے تیز لہجے میں سوال کیا۔''اس کوتاہی کا کوئی خاص سبب؟''

''یہ کوتاہی نہیں تھی۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔''ہم نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مقتول کے بیڈروم کی حالت چیخ چیخ کر اس امر کی گواہی دے رہی تھی کہ اس شقی القلب شخص نے کتنی بے دردی سے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔''

''آپ کا مطلب ہے، مقتول کے بیڈروم کی دیواریں اور وہاں موجود ہر شے ملزم کا نام پکار رہی تھی۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔''یہ تو آپ بہت ہی حیرت انگیز بات بتا رہے ہیں۔''

''آپ بالکل غلط سمجھے ہیں وکیل صاحب۔'' وہ خود کو خاصا عقل مند ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''میرا اشارہ مقتول کی لاش کی جانب تھا۔ اس کے لباس کو جس انداز میں تار تار کیا گیا تھا، اس کے بدن کو جس طرح نوچا اور کھسوٹا گیا تھا وہ ملزم کی درندگی کا منہ بولتا ثبوت تھا......'' ایک لمحے کو وہ سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔

''اب آپ یہ سوال نہیں کیجیے گا کہ کیا میں نے اپنی آنکھوں سے ملزم کو یہ کارروائی کرتے دیکھا تھا...... اس معاملے کو سمجھنے کے لیے ملزم کی ایک روز پہلے والی دھمکی ہی کافی تھی جب اس نے بڑے جلال میں مقتول کو قتل کرنے کی وارننگ دی تھی۔''

''ٹھیک ہے آئی او صاحب! آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں یہ سوال نہیں کروں گا۔'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔''لیکن اس کے علاوہ دوسرے سوال تو کر سکتا ہوں نا......!''

وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔ یک ٹک مجھے دیکھتا چلا گیا۔

''آپ جائے وقوعہ پر گئے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گے کہ مقتول کی رہائش کراچی کے کس علاقے میں واقع تھی؟''

''بہادر آباد میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''بنگلا یا فلیٹ......؟''

''فلیٹ!''

''کیا مقتول کا فلیٹ بہادر آباد کے کسی الگ تھلگ حصے میں واقع تھا یا کسی بھری پری بلڈنگ میں؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''بھری پری بلڈنگ میں۔'' اس نے الجھن زدہ انداز میں جواب دیا۔

آئی او کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس نوعیت کے سوالات کس مقصد سے کر رہا ہوں۔ میں نے اس کی الجھن کی پروا کیے بغیر ایک سنسناتا ہوا استفسار کیا۔

''آئی او صاحب! آپ نے جائے وقوعہ کا جتنا درد ناک نقشہ تیار کیا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مقتول نے اپنی عزت اور جان بچانے کے لیے سر توڑ کوشش کی تھی اور اسی کوشش میں اس کا لباس بھی تار تار ہو گیا تھا لیکن ایک بات کی مجھے حیرت ہے کہ وہ چیخی چلائی نہیں...... اس نے کسی کو مدد کے لیے نہیں پکارا...... کہیں وہ گونگی تو نہیں تھی؟''

''نہیں جناب، وہ گونگی نہیں تھی۔'' وہ معاندانہ نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''مقتول بھی یقیناً اپنی مدد کے لیے چیخی چلائی ہوگی لیکن ملزم نے اس کی پیش نہیں چلنے دی۔''

''اگر وہ چیخی چلائی تھی تو آس پڑوس والوں کو اس واقعے کی خبر کیوں نہیں ہوئی؟'' میں نے ایک اہم نکتہ اٹھایا۔ ''وہ اس کی مدد کو کیوں نہیں لپکے؟ استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں مقتول کے کسی ایک بھی پڑوسی کا نام درج نہیں...... یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی نے کچھ نہ سنا ہو، کچھ نہ دیکھا ہو...... جب کہ وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ بہادر آباد کے گنجان آباد علاقے میں واقع ہے...... اور مکینوں سے پوری طرح بھری ہوئی بھی ہے؟''

میرے ان سوالات کا آئی او کے پاس کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا وہ آئیں بائیں شائیں کرتے ہوئے بغلیں جھانکنے لگا۔ میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''جنابِ عالی! صفائی کے گواہان عارف اور وسیم کے بیانات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ میرا مؤکل اور اس مقدمے کا نامزد ملزم عمران علی بے گناہ ہے۔ وہ وقوعہ کے روز دوپہر گیارہ بجے سے شام سات بجے تک اپنے گھر سے دور دوستوں کے ساتھ موجود رہا ہے لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ مقتول روبی کی موت میں اس کا کوئی ہاتھ ہو۔ میرے مؤکل کو کسی گہری سازش کے تحت اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ سازش اسی شخص کی تیار کردہ ہے جس نے مقتول کی شادی وحید علی سے کرائی تھی

چنانچہ......'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

''چنانچہ، میں معزز عدالت سے استدعا کروں گا کہ آئندہ پیشی پر مراد خان کی عدالت میں حاضری کو یقینی بنایا جائے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کیا جا سکے......''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔ جج نے آئندہ پیشی کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈ جارنڈ......!''

☆☆☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں مراد خان موجود تھا۔ وہ ہوشیار آنکھوں کا مالک ایک کائیاں اور شاطر شخص نظر آتا تھا۔ گزشتہ پیشی پر میں اپنے مؤکل کی جائے وقوعہ سے عدم موجودگی ظاہر کر کے یہ ثابت کر چکا تھا کہ روبی کے قتل میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔ عارف اور وسیم کی گواہی نے عمران کے دامن اور ہاتھ کو صاف ثابت کر دیا تھا۔

وکیلِ استغاثہ نے مراد خان کو فارغ کیا تو میں جج کی اجازت سے اس کے کٹہرے کے نزدیک چلا گیا۔ اس پیشی پر مجھے ان اہم معلومات کو استعمال کرنا تھا جو عمران کے چچا حمید علی کی بھاگ دوڑ کے نتیجے میں مجھ تک پہنچی تھیں۔

''مراد صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''میرے علم کے مطابق، آپ مقتول کے شوہر وحید علی کے بہت گہرے دوست ہیں؟''

''جی، آپ کی معلومات بالکل درست ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ ہر مشکل وقت میں اپنے دوست کے کام آتے رہے ہیں۔'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جب آپ کے دوست کی بیٹی لبنیٰ کو اغوا کر لیا گیا تو اس کی بازیابی کے لیے آپ نے ایک خطیر رقم اپنے دوست کو دی تھی!''

''جی، ان لمحات میں وحید بہت پریشان تھا۔ اس کی پریشانی مجھ سے دیکھی نہ گئی اور میں نے اس کے لیے پانچ لاکھ کا بندوبست کر دیا۔'' اس نے بتایا۔ ''اگر ایک دوست دوسرے دوست کی مصیبت میں کام نہیں آئے گا تو پھر ایسی دوستی کا فائدہ کیا......!''

''بالکل درست فرمایا آپ نے۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ ''وحید علی کافی عرصے تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ آپ نے وہ رقم اسے اپنے پاس سے دی تھی لیکن کچھ عرصے کے بعد جب یہ انکشاف ہوا کہ آپ نے کسی

پارٹی سے سود پر وہ رقم لے کر اسے دی تھی اور ماہانہ پچاس ہزار روپے آپ اس رقم پر سود اپنی جیب سے سود خور کو دے رہے تھے تو یہ سن کر وحید ہکا بکا رہ گیا تھا۔"

"میں نے وحید پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔" وہ ایک خاص انداز میں بولا۔"جب تک میں افورڈ کر سکتا تھا اپنی جیب سے سود کی رقم ادا کرتا رہا اور جب مجبور ہو گیا تو میں نے وحید کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔"

"یقیناً آپ نے اپنے دوست وحید پر تو کوئی احسان نہیں کیا تھا لیکن اس معزز عدالت پر آپ کو ایک احسان ضرور کرنا ہوگا......" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"عدالت پر احسان......" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔"کیسا احسان؟"

"آپ معزز عدالت کو بتائیں گے کہ آپ نے کس پارٹی سے سود پر پانچ لاکھ روپے لے کر اپنے دوست کو دیے تھے۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔"عدالت اس شخص کا نام جاننا چاہتی ہے۔"

"کک...... کیوں......!" وہ ایک دم پریشان ہو گیا۔"میں کیوں بتاؤں اس شخص کا نام......؟"

"آپ کو اس شخص کا نام اس لیے بتانا ہوگا کہ عدالت کو آپ کے بیان کی تصدیق کرنا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔"کیونکہ ملزم نے عدالت میں بیان دیا ہے کہ آپ نے کسی پارٹی سے سود پر ایک روپیا بھی نہیں لیا تھا۔ وہ سب نقلی نوٹ تھے اور...... ملزم کی بہن کے اغوا کا ڈراما بھی آپ ہی نے رچایا تھا۔"

"وہ جھوٹ بولتا ہے...... بکواس کرتا ہے......" وہ غصیلی نظر سے ملزم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔"میں بھلا اپنے دوست کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کیوں کروں گا۔"

"اسے تباہ و برباد کرنے کے لیے...... اس کی دولت اور کاروبار ہتھیانے کے لیے۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔"ملزم کا بیان ہے کہ اس نے خود اپنے کانوں سے آپ کی اور مقتول کی گفتگو سنی تھی جس میں آپ نے مقتول کو اپنے اس کارنامے سے تفصیلاً آگاہ کیا تھا کہ آپ نے کس طرح وحید علی کو الو بنا کر اس کے بنگلے کو اونے پونے بکوا دیا۔ آپ ایک پراپرٹی ایجنٹ ہیں۔ یہ بات آپ کو اچھی طرح معلوم تھی کہ پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی والے اس بنگلے کی مارکیٹ ویلیو کسی بھی طرح پندرہ لاکھ سے کم نہیں تھی جبکہ آپ نے وہ بنگلا صرف بارہ لاکھ میں فروخت کرنے کا ڈراما رچا کر تین لاکھ یہاں سے کما لیے اور پانچ لاکھ وحید سے ویسے لے لیے اس طرح یہ چھوٹی سی ڈیل آپ کو راتوں رات آٹھ لاکھ کا منافع دے گئی...... اس کے بعد آپ نے روبی کے ذریعے......"

"میں نے کہا نا، ملزم کے ان الزامات میں ذرہ برابر بھی حقیقت نہیں ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔"اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"میں بھی تو یہی چاہتا ہوں کہ آپ ملزم کی جانب سے لگائے گئے ان الزامات کو غلط ثابت کر دیں۔" میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔"آپ اس سود خور پارٹی کا نام بتا دیں جس سے بھاری شرح پر آپ نے سود لے کر وحید علی کو پانچ لاکھ دیے تھے۔ عدالت متعلقہ شخص کو یہاں بلا کر آپ کے بیان کی تصدیق کرے گی اور آپ کی ذات ہر شک و شبے سے بالاتر ہو جائے گی۔"

"نہیں...... میں اس شخص کا نام نہیں بتا سکتا۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"مسٹر مراد! آپ کو اس پارٹی کا نام بتانا پڑے گا۔" جج نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔"تاکہ آپ کے بیان کی تصدیق ہو سکے۔"

اب مراد خان کی حالت دیدنی تھی۔ وہ جج کے سامنے اکڑ نہیں دکھا سکتا تھا لہٰذا جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

"اس بندے کا نام سلطان خان ہے اور......" وہ تھوک نگل کر حلق تر کرتے ہوئے بولا۔"یہ بندہ اُدھر یہ اب گوٹھ میں رہتا ہے لیکن...... میری درخواست ہے کہ اس شخص کو عدالتی چکروں میں نہ ڈالا جائے۔"

"یہ فیصلہ کرنے کا اختیار عدالت کو ہے کہ کس شخص کو کس چکر میں ڈالنا ہے اور کس بندے کو کس چکر سے نکالنا ہے۔" جج نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔"اس کے لیے آپ کی کسی درخواست یا مشورے کی ضرورت نہیں......" پھر جج نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ۔"

"کیا یہ درست ہے کہ وحید علی کی روبی سے شادی آپ ہی نے کرائی تھی؟" میں نے مراد خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

"جی یہ بات درست ہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔"اور اس میں بھی آپ کو میری کوئی بدنیتی نظر آ رہی ہوگی...... ہیں نا؟"

"میرے نظر آنے یا نظر نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔"آپ کتنے بدنیت ہیں یا کتنے صاف نیت ہیں اس کا فیصلہ کرنے کے

لیے ہی یہ عدالت لگی ہوئی ہے۔''
وہ ناپسندیدہ نظر سے مجھے گھورنے لگا۔
میں نے اس کے انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات طے ہے کہ جب کوئی شخص دو افراد کی شادی کراتا ہے تو وہ ان دونوں افراد سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے...... آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟''
''جی...... یہ تو ایک اصولی بات ہے۔'' وہ گول مول لہجے میں بولا۔
''اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ وحید علی اور مقتول روبی سے بہت اچھی طرح آگاہ تھے؟''
''جی...... جی ہاں۔'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔
''وحید علی سے تو آپ کی پرانی دوستی ہے لہٰذا میں اس کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔ ''صرف اتنا بتا دیں کہ آپ مقتول کو کب سے جانتے ہیں؟''
''لگ بھگ دس سال سے۔'' اس نے جواب دیا۔
''کس حوالے سے تھی یہ جان کاری؟''
''میں نے دس سال پہلے روبی کو ایک مکان دلوایا تھا۔ اس کے بعد ہمارے بیچ علیک سلیک شروع ہوگئی تھی اور کبھی کبھار ہماری ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔'' اس نے بتایا۔
''صرف علیک سلیک اور ملاقات یا...... اس سے زیادہ بھی آپ لوگوں میں کوئی ربط ضبط تھا؟'' میں نے ٹٹولنے والی نظر سے اسے دیکھا۔
وہ نگاہ چراتے ہوئے بولا۔ ''صرف علیک سلیک!''
''میری ٹھوس معلومات کے مطابق، مقتول روبی کا تعلق حیدر آباد کے ایک مخصوص علاقے سے تھا اور وہ تین سال پہلے ہی کراچی شفٹ ہوئی تھی۔'' میں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ ''پھر اس نے آپ کی مدد سے دس سال پہلے کراچی میں ایک مکان کیسے لے لیا تھا؟''
''مم...... میں بھول گیا ہوں گا......'' وہ جلدی سے صورتِ حال کو سنبھالا دیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے تین سال پہلے ہی اسے مکان دلوایا ہوگا۔''
''تین اور دس سال میں پورے سات سال کا فرق ہے۔'' میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔ ''کوئی بھی پراپرٹی ایجنٹ اتنے بڑے فرق کو بھول نہیں سکتا۔ اس کا مطلب ہے، تم جھوٹ بول کر معزز عدالت کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہو......''
''وکیل کے بچے......'' وہ ایک دم آپے سے باہر ہوگیا۔ ''تم مجھے تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا......''
''یور آنر...... پوائنٹ ٹو بی نوٹیڈ......'' میں نے فاتحانہ نظر سے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مراد خان بھری عدالت میں مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے رہا ہے...... ممکن ہے، اس نے روبی کو بھی موت کے گھاٹ اتارا ہو......''
مراد خان کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو کر کٹہرے سے نکلا اور میری جانب بڑھتے ہوئے وحشیانہ انداز میں چلّایا۔ ''وہ تو گئی جہنم میں...... اب تمہاری بھی خیر نہیں ہے......''
عدالت کے کمرے میں اچانک ہی سنسنی خیز صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ میں مراد خان کی دھمکی سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ تک پہنچتا، متعلقہ عدالتی عملے نے اسے قابو کر کے ہتھکڑی پہنادی۔ وہ پولیس کی حراست میں پھنکارتے ہوئے غصیلی نظر سے مجھے گھورنے لگا۔

☆☆☆

گزشتہ پیشی پر مراد خان کے رویے نے تمام حقائق پر سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ اس کا عمل گویا اس کا اقبالِ جرم تھا۔ عدالت کی ہدایت پر جب اسے پولیس کسٹڈی میں دیا گیا تو پھر پولیس کو اس کی زبان کھلوانے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔
روبی اور مراد خان ایک ہی قماش کے لوگ تھے اور پچھلے تین سال سے وہ مل کر کام کر رہے تھے۔ وحید علی ان کا آٹھواں شکار تھا۔ روبی ایک پیشہ ور عورت تھی اس لیے ان کی گاڑی بڑی ہموار چل رہی تھی لیکن اس کیس میں روبی نے سب کچھ اکیلے ہی ہڑپ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ مراد خان اسے اپنے راستے سے ہٹانے پر مجبور ہوگیا۔ مراد نے کچھ اس انداز میں روبی کو موت کے گھاٹ اتارا کہ قربانی کے بکرے کے طور پر عمران علی کی گردن پھنس جائے اور تقریباً ایسا ہوا بھی تھا لیکن عمران کی خوش قسمتی کہ یہ کیس میرے پاس آگیا تھا۔
برائی کا انجام کبھی خوش گوار نہیں ہوتا چاہے اس کا ذمے دار کوئی بھی ہو حتیٰ کہ اگر چاند سے بھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو وہ بھی گہنا جاتا ہے۔ وہی چاند جس سے سب محبت کرتے ہیں اور اسے محبوب سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جب اسی چاند کو گرہن لگتا ہے تو اس گہنائے ہوئے چاند سے سب خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔

(تحریر: حُسام بٹ)